سخن ہائے آشنا

مسعود سامون

مسعودالحسن ساموں کا قلمی نام مسعود ساموں ہے۔ وہ ریاست جموں وکشمیر کے دور افتادہ اور پسماندہ سرحدی علاقہ وادئ گریز کے گاؤں بڈوَن کے معزز ساموں خاندان کے سربرآوردہ عالم، عوامی رہنما اور صاحبِ طریقت بزرگ محترم محمد انور ساموں مرحوم ومغفور کے گھر میں ۲۸ رفروری ۱۹۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے والد سے اور ہائی سکول داور (گریز) میں حاصل کی اور یہیں سے ۱۹۶۵ء میں میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۶ء میں انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے ریاستی محکمۂ تعلیم میں مدرس کی حیثیت سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا، لیکن اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے اشتیاق نے انہیں ۱۹۶۸ء میں ترکِ ملازمت پر مجبور کیا۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں انہوں نے گورنمنٹ سری پرتاپ کالج سری نگر سے بی-اے اور ۱۹۷۴ء میں کشمیر یونی ورسٹی کے شعبۂ فارسی سے ایم-اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور پھر کچھ عرصہ بعد یہیں دوسال تک فارسی پڑھاتے رہے۔ ایم-اے فارسی کے امتحان میں اوّل آنے پر کشمیر یونی ورسٹی نے انہیں غنی گولڈ میڈل سے نوازا۔ ۱۹۷۶ء میں انہوں نے ایم-اے اردو کا امتحان بھی یہیں سے پاس کیا اور اوّل آئے۔ ۱۹۷۷ء سے ۲۰۰۹ء تک موصوف نے اہم انتظامی مناصب پر انتہائی ذمہ داری، تن دہی اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دِیے، جن میں ڈپٹی کمشنر پلوامہ، ناظم تعلیمات، ایکسائز کمشنر، ریونیو کمشنر اور ڈویژنل کمشنر کشمیر کے عہدے شامل ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں وظیفہ یاب ہونے کے بعد انہیں پانچ سال کے لیے جموں وکشمیر پبلک سروس کمیشن کا ممبر مقرر کیا گیا، جس کی معیاد ۲۰۱۴ء میں ختم ہوئی۔

جناب مسعود ساموں کے والد بزرگوار اگرچہ ایک مدرس تھے، مگر وہ اپنے علاقے کی ایک اعلیٰ مذہبی، روحانی، علمی، ادبی، سیاسی اور سماجی شخصیت تھے۔ وادی گریز کے عوام نے اُن سے یکساں فیض پایا اور یہ اُن کی ہی تعلیم وتربیت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ مسعود ساموں ایک ادیب، شاعر اور اعلیٰ منتظم کے طور پر اُبھرے۔ اُنہوں نے جہاں ریاستی انتظامیہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا، وہاں انہوں نے ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے بھی اپنی شناخت قائم کی۔ مصروف ملازمت کی اہم ذمہ داریوں سے وہ گاہے ماہے کچھ لمحے نکال کر اپنے اُس ادبی شوق کی آبیاری بھی کرتے رہے جو کالج کے دنوں میں ہی اُنکے منہ لگ گیا تھا۔ مسعود ساموں کی مادری زبان شنا ہے، اس لیے وہ اس کی ترقّی وترویج کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ اس زبان کے تعلق سے اُن کی دو کتابیں 'شنا زبان: رسم الخط اور صوتی نظام' اور 'شنا محاورے اور مثالیں' شائع ہو چکی ہیں۔ شاعری اور لسانیات سے ان کو گہرا شغف ہے۔ وہ اردو اور شنا میں بڑے ہی عمدہ اور فن کارانہ انداز میں انتہائی فکر انگیز اور معنی آفرین شعر کہتے ہیں۔ رباعی کہنے میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔ وہ اردو اور شنا میں افسانے بھی لکھتے ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ جہاں شنا زبان میں شائع ہونے والا ہے، وہاں وہ 'شنا' میں لکھے گئے افسانوں کا مجموعہ بھی مرتب کر رہے ہیں۔ مسعود ساموں کا مستقل قیام یوں تو آرم پورہ، سونر وانی، بانڈی پورہ، کشمیر میں ہے، تاہم موسمِ سرما کے دوران وہ سیدھڑا کے قریب جاگیر ملہوری بجالتہ، جموں میں قیام کرتے ہیں۔ ('ذکرِ مسعود' سے ایک اقتباس)

نام کتاب	:	سخن ہائے آشنا
مصنف	:	مسعود سامونؔ
سالِ اشاعت	:	2016ء
تعداد	:	500
قیمت	:	250 روپے
کمپیوٹر کمپوزنگ	:	مسعود سامون
طباعت	:	**الحیات** پرنٹوگرافرس، سرینگر 2473818

Sukhan Haae Aashna
by
Masaud Samoon
[mhsamoon@gmail.com)

ناشِر

رابطہ پبلیکیشنز

85/قادر کاٹیج علامہ اقبال لین، سنجواں روڈ، جموں 180011

ملنے کا پتہ:

۱۔ مسعود سامون، آرمپورہ، سونزوانی، بانڈی پورہ، کشمیر
۲۔ رابطہ پبلی کیشنز، علامہ اقبال لین، سنجواں روڈ، جموں
۳۔ **TFC سنٹر**، مدینہ چوک گاؤکدل سرینگر کشمیر 9419403126

فہرست

انتساب

فطین، علی، سروش، نورین، نایاب اور مہنوّر

کے لئے

جنہوں نے میری زندگی کے خالی گوشے

پیار سے بھر دئے
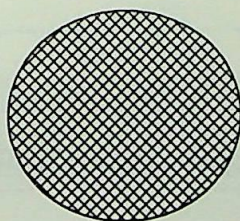
امیّد ہست کہ بیگانگی عرؔفی را
بہ دوستی سخن ہای آشنا بخشند

عرضِ ناشر

'رابطہ پبلی کیشنز' کی یہ پیش کش 'سخن ہائے آشنا' جناب مسعود سامون کا پہلا اردو شعری مجموعہ ہے۔اس سے قبل اس ادارے نے حال ہی میں ان کی ایک اور کتاب 'شنا محاورے اور مثالیں' شائع کی ہے جسے علمی اور ادبی حلقوں میں کافی سراہا گیا ہے۔جموں وکشمیر کے مستند ادباءاور شعراء کی تخلیقات اور نادر و نایاب کتب کی اشاعت رابطہ کی اوّلین ترجیحات میں شامل ہے۔اس ضمن میں صاحبِ ذوق اور اہلِ رائے حضرات کے مفید مشوروں کا انتظار رہے گا۔

جموں وکشمیر ایک کثیر اللسانی ریاست ہے۔اردو اگرچہ یہاں کی سرکاری زبان ہے مگر اسے وہ حقوق حاصل نہیں ہیں جن کی حقیقی معنوں میں ایک سرکاری زبان متقاضی ہوتی ہے۔اس کے باوجود جموں وکشمیر کے عوام کی یہ ہردل عزیز زبان ہے۔یہاں اردو کے آغاز سے لے کر آج تک تمام اصناف

ادب میں طبع آزمائی ہوئی ہے اور اردو شعراء اور ادباء کی ایک کثیر تعداد ہر دور میں موجود رہی ہے اور آج بھی ریاست کے طول وعرض میں ادباء اور شعراء کی ایک ایسی کہکشاں موجود ہے جس کی درخشانی اور تابانی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ میر، غالب، اقبال اور اس قبیل کے دوسرے سربرآوردہ شعراء کے بعد بھی اس زبان میں شعر وسخن کا عمل مسلسل جاری ہے اور انشاءَ اللہ آیندہ بھی جاری رہے گا۔

☆

ریاست جموں وکشمیر میں ۱۹۷۰ء کے بعد نئی نسل کے جن شعراء نے اردو زبان کو اپنے اظہار کا وسیلہ بنایا اُن میں مسعود ساموں بھی شامل ہیں۔ میں نے ان کی ایک غزل جموں اینڈ کشمیر اکیڈیمی آف آرٹ، کلچر اینڈ لینگویجز سری نگر کے اردو سالنامہ 'ہمارا ادب' ۱۹۷۴ء میں پڑھی تھی جو بعد میں ماہنامہ 'آجکل' نئی دہلی میں ۱۹۷۵ء کے کشمیر نمبر میں بھی شائع ہوئی۔ غزل کا مطلع ہے

کمرہ مرا کہ سُرخ لکیروں کا جال ہے
راہوں پہ بے بسی ہے اُجالا وبال ہے

یہ غزل اس مجموعہ میں شامل ہے، البتہ اس کا آخری شعر حذف کیا گیا ہے۔ اُسی دور میں 'ہمارا ادب' میں ان کی ایک آزاد نظم بعنوان 'آخرش' بھی شائع ہوئی تھی جو زیرِ اشاعت مجموعہ میں شامل نہیں ہے۔ ایک منقبت بعنوان 'بحضور جناب شیخ العالم شیخ نور الدّین نورانیؒ' جو انہوں نے شیخ العالم شش صد سالہ تقریبات ۱۹۷۷-۱۹۷۸ء کے دوران ایس۔ پی کالج

سری نگر کے ایک مشاعرے میں پڑھی تھی، اس مجموعہ میں من وعن شامل ہے۔

☆

۱۹۷۷ء کے دوران علامہ اقبال کی صد سالہ تقریبات منائی گئیں جن کی سرگرمیوں کا محور اور مرکز ریاستی کلچرل اکیڈیمی تھی۔ ان تقریبات کا ایک حصہ طرحی مشاعروں کا انعقاد بھی تھا۔ موصوف نے بھی ایک ایسے ہی مشاعرے میں اقبال کی غزل کے اس مصرع 'کرم ہے یا کہ ستم تیری لذّتِ ایجاد' کی طرح میں ایک غزل کہی جو اس مجموعے میں شامل ہے۔ اس کے بعد ان کی غزلیں اور رباعیات کچھ اور جرائد کے علاوہ عہد ساز ادبی پرچے 'شب خون' کے کئی شماروں میں ۱۹۸۳ء۔ ۱۹۸۴ء تک چھپتی رہیں جس کے صفحات پر ہر ایرے غیرے شاعر اور ادیب کو جگہ نہیں ملتی تھی۔

میں نے یہاں ان باتوں کا ذکر محض یہ جتانے کے لیے کیا ہے کہ اُن کا شعری سفر لگ بھگ پچاس برس پر محیط ہے اور یہ کہ وہ ایک پختہ کار، کہنہ مشق اور عروض آگاہ شاعر ہیں۔ ان کا مجموعۂ کلام برسوں پہلے شائع ہو جانا چاہیے تھا مگر شبانہ روز کی منصبی ذمہ داریوں اور کلام کے معیاری اور غیر معیاری ہونے کی دُبدَھا نے اُنہیں اسے عملی جامہ پہنانے سے باز رکھا۔ یہی معاملہ ان کی دوسری کتابوں 'شِنا زبان۔ رسم الخط اور صوتی نظام' اور 'شِنا محاورے اور مثالیں' کے مسودوں کے ساتھ بھی رہا جو کم و بیش پینتیس برس کے بعد بالترتیب ۲۰۱۳ء اور ۲۰۱۶ء میں شائع ہو کر منصّۂ شہود پر آئیں۔

اس کتاب میں ایک حمد، دو نعتیں، ایک منقبت، غزلیات، رباعیات، اور

منظومات شامل ہیں۔ شعروادب کے معزز قارئین اور شائقین! یہ شعری مجموعہ جوشائع ہونے کے لیے نہ جانے کب سے تیار تھا، اب تاخیر سے ہی سہی مگر شائع ہورہا ہے اور اِس اُمید کے ساتھ آپ کے ہاتھوں تک پہنچایا جارہا ہے کہ مسعود سامون کی شاعری آپ کے سمندِ شوق کو مہمیز اور ذوقِ ادب کو تسکین عطا کرے گی۔

اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ وہ اُنہیں خوب سے خوب تر کہنے کی مزید توفیق دے۔ آمین، ثم آمین۔

دُعا گو

ڈاکٹر محمد اسداللہ وانی

سابق پروفیسر شعبۂ اردو جموں یونیورسٹی، جموں

اپنی بات

سن ۶۸ ء کے آس پاس کی بات ہے جب میں نے اردو میں طبع آزمائی شروع کی۔ کالج کا زمانہ تھا، ایس پی کالج میں ہر ہفتے ادبی محفلیں منعقد ہوتی تھیں اور دوستوں سے اکثر شعر وشاعری کے بارے میں گفتگو ہوتی تھی۔ سولہ سترہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا اور بڑی دیر کہتے رہے۔ اُس زمانے کا سارا کلام میں نے بعد میں ایک آدھ غزل کو چھوڑ کر قلم زد کر دیا۔ بی اے سے بہ مشکل فارغ ہو کر یونیورسٹی میں داخلہ لیا تو اردو اور فارسی ادبیات سے تعلق بڑھتا گیا۔ نئے حالات میں نئی طرز پر کہنا شروع کیا مگر جوں جوں اساتذہ کے کلام سے قُرب بڑھتا گیا، پتہ چلا کہ ہم سچ مچ طفلِ مکتب ہیں اور اپنی شاعری ہیچ نظر آنے لگی۔ حافظ، خیّام، سعدی، بیدل، غالب، میر اور اقبال جیسے نابغۂ روزگار شعراُ کا کلام پڑھا تو ایک رنگا رنگ اور حیرت ناک دُنیا سے سابقہ پڑا۔ پتہ چلا کہ کوئی بات، کوئی انسانی جذبہ ایسا نہیں جس کی اساتذہ نے ترجمانی نہ کی ہو۔ پھر یہی باتیں دہرانے کا کیا مطلب۔ مگر ہر شخص زندگی کو اپنی طرح سے برتتا ہے تو اُس کے جذبوں کا اظہار بھی الگ ہی ہوگا، ناقص و ناتمام ہی سہی۔ اس لئے کبھی کبھی ایسا

اُبال آتا کہ کہے بنا رہا نہ جاتا۔ فارسی اور اردو دونوں زبانوں میں اُن دنوں جدیدیت کی بڑی دھوم تھی اور یہی سکۂ رائج الوقت تھا۔ چنانچہ اسی راستے پر نکل پڑے اور ابہام، بلکہ اہمال کو بھی اچھا سمجھنے لگے۔ مگر جلد ہی احساس ہوا کہ لوگ جدیدیت کے چکّر میں کچھ زیادہ ہی دور نکل گئے ہیں اور بہت دور تک ان کا ساتھ نہیں دیا جاسکتا۔ بقول اقبالؔ

زمانہ ایک، حیات ایک، کائنات بھی ایک
دلیلِ کم نظری قصۂ قدیم و جدید

ان دنوں دوستوں کو مشاعرے پڑھنے، جرائد میں کلام چھپوانے نہ چھپوانے کے لیے کیا کیا کرتے دیکھا۔ ادھر سر چڑھا جادو بولتا ہی گیا، لیکن رہا تقریباً اپنی ہی ذات تک محدود۔ پھر فرائضِ منصبی کی مجبوریوں نے ایسا کھینچا کہ کہیں اور کا نہ رکھا اور محفلوں سے تو الگ تھلگ ہی کر دیا۔ یوں میں بقول کسے ایک 'جُز وقتی نیم ادیب' بن کر رہ گیا۔

میں اردو شاعری کی ایک اہم روایت سے انحراف کا بھی مرتکب ہوا۔ وہ یوں کہ کسی کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ نہ کیا۔ خیر اب تو شاید نئی پود نے اس قیمتی روایت کو خیر باد ہی کہہ دیا ہے۔ یہ میری بدقسمتی رہی کہ مجھے ابتدائی ایام میں کوئی اُستاد نہ ملا جو مجھے اس کوچے کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتا اور حوصلہ افزائی کرتا۔ نتیجتاً میں ہمیشہ اس دُبدھا میں رہا کہ مجھے مشقِ سخن جاری رکھنا چاہیے یا نہیں اور جو کلام جمع ہے اُسے شائع کرنا چاہیے یا نہیں۔ وقت گزرتا گیا اور میں کچھ دوستوں کا مثبت مشورہ مسلسل نظرانداز کرتا رہا۔ اس بیچ میری طبیعت اپنی مادری زبان شنا میں شعر کہنے کی طرف مائل ہوئی اور اردو میں مشقِ سخن کم ہوتی گئی۔ میرے ایک دوست

نے مجموعے کی اشاعت پر اصرار کرتے ہوئے ایک دن کیا خوب کہا کہ 'جناب آخر ہر کوئی میر اور غالب تو ہو نہیں سکتا پھر آخر آپ کیوں احساسِ کمتری میں مبتلا ہیں'۔ بالآخر میرے عزیز دوست پروفیسر محمد اسد اللہ وانی نے میری پریشانی کو بھانپ کر اس شرط پر مجھے آمادہ کیا کہ کسی بزرگ شاعر کو کلام دکھایا جائے اور اگر انہوں نے مشورہ دیا کہ کلام چھپنے کے لائق ہے تو پھر شائع کر دینا چاہیے۔ چنانچہ پروفیسر صاحب نے جناب عرش صہبائی کو مسودہ دیکھنے کے لیے تیار کیا اور مجھے اپنے ساتھ لے گئے۔ عرش صہبائی صاحب نہ صرف ہماری ریاست بلکہ پوری اردو دنیا کے جانے پہچانے شاعر ہیں۔ ان سے میری ملاقات آج سے قریب پینتیس سال پہلے ایک آدھ بار کسی ادبی تقریب میں ہوئی تھی۔ انہوں نے نہ صرف میرے شعری مسودے کو پڑھا بلکہ اسے سراہا اور کئی متروک الفاظ کو حذف کر دینے کی صلاح دی۔ اس کے علاوہ مسودے کے بارے میں اپنی قیمتی رائے سے بھی نوازا جو اس کتاب میں شامل کیا ہے۔ میں اُن کا ممنون احسان ہوں۔

پروفیسر وانی صاحب نے مزید مشاورت کے لیے اردو اور کشمیری زبان کے سر برآوردہ دانشور، محقق، ناقد اور ادیب جناب محمد یوسف ٹینگ صاحب سے رابطہ کیا۔ چنانچہ میں وانی صاحب کی معیت میں جناب محمد یوسف ٹینگ صاحب سے ملا اور اپنے مجموعۂ کلام کا مسودہ اُن کی خدمت میں پیش کیا۔ انہوں نے اپنی بے پناہ مصروفیات کے باوجود نہ صرف مسودے کا مطالعہ کیا بلکہ ایک ماہر جوہری کی طرح اسے جانچ پرکھ کر جس بزرگانہ شفقت اور پُر خلوص اپنائیت سے گراں قدر پیش کلام رقم کیا، میں اس کے لیے اُن کا سپاس گزار ہوں۔

میں جناب رفیق راز صاحب کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے کچھ ذاتی

مشکلات کے باوجود اس مسودے کو پڑھا اور کچھ تعارفی کلمات سے نوازا۔

اِن مراحل سے گزرنے کے بعد اب تو مجموعہ شائع نہ کرنے کا کوئی جواز ہی نہ رہا۔ چنانچہ پروفیسر وانی صاحب نے اشاعت کی ذمہ داری سنبھال کر مجھے اس فکر سے بھی آزاد کر دیا۔ اللہ تعالیٰ انہیں اس کے لیے جزائے خیر دے۔ آمین

بہ دل دردے کزاں شیریں شمائل داشتم گفتم
گزشتم از سر خود ہر چہ در دل داشتم گفتم

مسعود سامون

اپریل/۲۰۱۶ء
آرم پورہ، سونزوانی
بانڈی پورہ، کشمیر

پیش کلام

گُریز وادی کشمیر کا پچھواڑہ ہے یا اس جنتِ اَرضی کا اعراف۔ اس بحث کی گہرائیوں میں جانے سے گُریز کرتے ہوئے اس چھوٹی سی وادی کی چند اُن عنایتوں کا کچھ ذکر ہو جائے جو اس نے اپنی بڑی بہن یعنی وادیِ کشمیر کو عطا کی ہیں۔ سب سے اوّل تو کشمیری زبان کا تحفہ جو شینا کی اُس بولی کا آخری جنوبی دامن ہے جسے سر جارج ابراہم گریرسن جیسے بڑے ماہرِ لسان نے 'کوشر'[1] مان کر اس شاندار زبان کا اصل مخزن مانا ہے۔ دوسرے کشمیری زبان کا چمکتا ہوا چاند اس کے کوہ و دمن سے طلوع ہو کر کشمیر کے تختِ شاہی اور بخت بیداری کی علامت بن گیا۔ حبہ خاتون کے مائکے کے متعلق تحقیق نگاروں کی پھیلائی ہوئی دھُند میں لپٹے ہوئے کوہِ کھویہامہ کو پار کرتے ہوئے وادیِ نیلم کے سبزہ زاروں پر نظر گاڑھے رہیں تو وہاں 'حبہ خاتون پہاڑ' اور 'حبہ خاتون ناگ' کی دستِ فطرت سے تحریر کی ہوئی روشن علامتیں اب بھی اپنی بے زبانی سے بہت کچھ کہہ رہی ہیں

ع نہاں میری خموشی میں ہزاروں آرزوئیں ہیں

1: ''کوشر'' عبرانی یعنی Hebrew زبان میں حلال اور اصلی کے لئے اصطلاح

حال ہی میں گُریز نے ہمیں دونمایاں انسانی چہروں سے سرفراز کرنے میں بھی اپنی عادت کے مطابق گُریز نہیں کیا ہے۔ سامون برادران۔ اور کتنی دل کو لگتی ہوئی بات ہے کہ دونوں کی ردیف حبّہ خاتون کے آخری لفظ کے ساتھ ہم وزن ہی نہیں ہم ردیف بھی ہے۔ خبر نہیں کہ زیر نظر مجموعے کے شاعر کو یہ شعر قلم بند کرتے ہوئے اس کا عرفان کیونکر ہوا

ہیں مضامیں تو بہت قافیہ پیمائی کو
لیکن ہر ایک غزل میں غم جاناں ہے ردیف

'سخن ہائے آشنا' نام کے اس مجموعے پر نظر ڈالتے ہوئے جو احساس سب سے پہلے قاری پر طاری ہوتا ہے یہ ہے کہ اس کا خالق بہت خلوت پسند اور خُوگرِ تنہائی ہے۔ راجستھان، سندھ کے مشہور مگر تقریباً مفقود Great Indian Bustard کی طرح۔ یہ اس کی شاعرانہ جبلّت کا اظہار ہے، ورنہ وہ سالہا سال جموں وکشمیر کی انتظامیہ کی اعلیٰ سطح پر بہت نام ونمود کی جگہیں سنبھالے ہوئے رہا۔ کشمیر کا ڈویژنل کمشنر اور ریاستی پبلک سروس کمیشن کا ایک لایق رُکن۔ اُس کی انتظامی صلاحیت اور شخصی دیانت کے چرچے زبان زد خلائق رہے۔ یہاں تک کہ پبلک سروس کمیشن میں رہتے ہوئے کچھ کڑوی سچائیاں بیان کرنے سے بھی گریز نہیں کیا۔

عروسِ شعر سے مسعود سامون کی دل بستگی کا معاملہ بھی ایک راز بن کر چھپا رہا۔ شاید ان کے کچھ یارانِ غار کو اس بارے میں واقفیت رہی ہو، لیکن آپ اور ہم جیسے قاری اس سے پرے پرے ہی رہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ مسوّدہ میری نظروں سے گزرا تو مجھے اپنے پرانے دوست کی اس نئی جہت کا اندازہ کرنے

میں اُن کے شعری وجود کے ساتھ ہم کشمیریوں کے اردو کے ساتھ گہرے اختلاط اور ارتباط کا ماجرا دیکھ کر تعجّب بھی ہوا۔ ان تمہیدی کلمات میں تفصیل کا کھاتہ کھولنے کا محل نہیں ہے لیکن ان اشعار کے رنگ اور رس کا لطف لینے کے لیے زیادہ کاوش کی ضرورت نہیں۔

جمالِ نیم شبی بندش قبا آزاد
طپیدہ دامن صحرا، شگفتہ باد مراد

....

عجب التفات ساموں ہے کسی کی بے رُخی میں
کبھی زیرِ لب تبسم، کبھی دُور دُور رہنا

....

یہ زندگی اندھیرے اجالے کا کھیل ہے
اُمید کی ہے صُبح، کبھی غم کی شام عمر

....

میں بند کمرے میں بیٹھا مجھے خبر ہی نہیں
کہ دھوپ اُتری ہے آنگن میں گنگناتی ہے

....

ان جستہ جستہ چُنے ہوئے اشعار میں سچّی شاعری کی مہک بھی ہے اور شعر گو کے تخلیقی مزاج کی عارفانہ لاپرواہی بھی، لیکن ان اشعار کو پڑھتے ہوئے نہ صرف قاری کے حواس میں ایک کیف کا عالم پیدا ہوتا ہے، بلکہ سخن گو کے لطفِ ذہن کی ایک لہر بھی اُسے شرابور کرتی ہے۔

جیسا کہ اوپر اشارہ ہوا ساموں کا ورودِ مسعود اُس کے محبوب وطن کے پُر آشوب دور میں ہوا اور اس کی پرچھائیں اُس کی زندگی پر سایہ فگن ہو یا نہیں، اس بات میں کلام نہیں کہ اُس کی سُخن سرائی اپنے شانِ نزول کا سارا ماجرا سامنے لاتی ہے اور الفاظ کی دیواروں کے سائے میں واقع جہانِ معنی کو عکس بند کرتی رہتی ہے۔ راقم کا ابتدا سے یہ خیال رہا ہے کہ کشمیر ہمارے زمانے کے جن جھمیلوں اور جبر وقہر سے گزرتا رہا ہے، اُس کا اصل ماجرا ہمارے مورّخین کے اخباری بیانات سے زیادہ ہمارے شاعر کے قلم کی خوں ریز چاپ سے ہی معتبر بنے گا۔

ع ہم اپنے دل کی دھڑکن کو تری آوازِ پا سمجھے

ایک خود آگاہ اور حواس بیدار شاعر کی طرح ساموں کے یہاں یہ قیامت خیزیاں اُچھلتی مچلتی لہروں کی طرح شور نہیں مچاتیں، بلکہ ہماری انسانی خصلت کو ہلکے ہلکے نشتر لگا کر سب کچھ سامنے لاتیں اور بیان کرتی ہیں۔

ہے یہی اک شرط فصلِ رنگ و بُو
جذب ہونے دو زمیں میں کچھ لہُو
خوف کی کالی گھٹائیں ہر طرف
آتش و آہن کی بارش چار سُو

....

چہرے پہ میرے پھیلا ہوا یہ سکوں نہ دیکھ
اس کی تہوں میں کھولتا آتش فشاں سُن

....

سازشیں کچھ تو خوشبوؤں نے کیں
اور کچھ حاشیہ ہوا کا تھا

....

آتشِ خُفتہ کو غاروں میں ٹھٹھرنا ہوگا
فیصلہ ہے کہ اسی گھر میں ٹھہرنا ہوگا

....

زہریلا نیلا آکاش اور اجگر جیسی دھرتی دیکھ
ایک زمرّد، اک تریاق سے کب تک دل بہلائے گا

....

نہ کہیں چھت نہ ہے کہیں چوکھٹ
دینے والے دیا یہ گھر کیسا

ان اشعار میں چیخیں نہیں ہیں بلکہ قاعدہ بند حُزن اور گرجتے ہوئے طوفان کا حُسنِ بیان ہے اور یہی شاعر کی کامرانی ہے۔ بیان کی ندی میں الفاظ کی طغیانی آجائے تو معنی و مفہوم کے ہُما کی موسیقی ریزی ٹنکار میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ آنسو کے ایک شفاف مگر دردمند قطرے میں فریاد و بیداد کی دُنیائیں آباد اور فریاد کُناں رہتی ہیں۔ جیسے خُدائے سُخن میر تقی میر کے اس چھوٹے سے شعر میں اُس وقت کی دلّی کی ساری کربل کتھا دُہائی دیتی ہے۔

دیدۂ گریاں ہمارا نہر ہے
دل خرابہ، جیسے دلّی شہر ہے

غزل جو اس مجموعے کی شاہِ بیت ہے، اب اگرچہ اپنے پلّو میں غمِ روزگار کی

پوٹلیاں لیے پھرتی ہے، لیکن اس کے دامن میں ذکر وفکرِ یار کے ستارے ہی اس کو دوآتشہ بنا دیتے ہیں۔ مجھے معلوم نہیں کہ سامونؔ نے اپنی غزل گوئی کس عمر میں شروع کی، لیکن اس مجموعے کی غزلیات میں جوانی کی ترنگیں اور جولانیاں کم ہی ملتی ہیں۔ مگر شاعر کی حسن پرستی کی ادائیں پہلو بدل بدل کر پیرایہ اختیار کرتی ہیں۔ وہی اقبال پر بیتے ہوئے تجربے کی بازگشت کرتی ہوئی۔

کبھی حیرت کبھی مستی، کبھی آہِ سحر گاہی
بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری

سامون کم گوئی اور اظہار کی ضابطہ بندی کا خوگر ہے۔ لیکن اِن اشعار کے تیور اُس کے ضبط کی پرتیں کھول کر اُس کی رگوں میں مچلتی چھکار کو سامنے لاتے ہیں۔

موج در موج زباں پر وہی لذّت اب تک
زاویہ زاویہ اظہار کی چاہت اب تک

....

نہ پوچھا حال، نہ موسم کی گفتگو چھیڑی
وہ بے مثال قیافہ شناس لگتا تھا

....

بھیگتے رہنا یوں ہی موسم دل کا اکثر
اور کبھی تیرا دھنک رنگ اُبھرتے رہنا

سامون جس زمانے کا باشندہ ہے اُسکی اپنی شرافت کے باوجود وہ اُس کو

اپنے ڈنک سے الگ نہیں رکھ سکتا اور اُسے بار بار چونچیں مار مار کر بے حال کر دیتا ہے۔ لیکن وہ اِس کے اظہار کے لیے اپنی آہ و بُکا کو لذّت شنیدن نہیں بخشنا چاہتا ہے اور ایک درویشانہ بے نیازی کے ساتھ اُنہیں گنگناتا ہے۔

ڈسیں گی آخر کو سانپ بن کر
مُحبّتوں کو نہ پال اتنا

....

خوف تھا جس کا وہ آخر ہو گیا اس شہر میں
حیف ہر کوچہ سمندر ہو گیا اس شہر میں

....

یاد آتا ہے کہ برسات ہوئی تھی سا موں
مدّتیں گزریں ٹپکتی ہے مری چھت اب تک

آخری شعر کے دوسرے مصرعے سے قاری کو اگر مرزا غالب کے اُس خط کی بات یاد آئے تو تعجب نہیں جس میں اُنہوں نے اپنے کرائے کے مکان کی خستگی کا ماجرا بیان کرتے ہوئے لکھا کہ 'پانی ساعت بھر برسے تو میری چھت سال بھر برستی رہتی ہے۔'

اور اس روئداد کا مقطع سا موں کی گھر واپسی کا گہرا زخم تازہ کرتا ہے۔ گریز بلکہ اُس سے بھی دور سے آنے والے دوستوں نے سرینگر میں مقیم ہونے کے بعد پھر پیچھے مُڑ کر نہیں دیکھا اور اسی نگر کی نذر ہو گئے، لیکن سامون کے یہاں معاملہ ادھر بھی الگ اور نرالا ہے۔ اُس نے شہر کے ہنگاموں اور چکا چوند سے دور بانڈی پورہ میں ولر کے کنارے ڈیرہ ڈال دیا۔ اسکی وجہ میری دانست میں یہ ہے کہ وہ

گُریز کے 'رازدان' پہاڑ کی جنوب مغربی تلہٹی میں واقع ہے۔ میرے ایرے غیرے الفاظ کی بجائے اس گھر بسائی کا زمزمہ خود اُس کے الفاظ میں ہی گونج پیدا کرے گا۔

آئی ہے کہاں شہر میں بن کی خوشبو
بچھڑے ہوئے محبوب بدن کی خوشبو
آ، اور بھی آ، اور بھی آ، اور بھی آ
بھولی ہے کہیں رستہ وطن کی خوشبو

محمد یوسف ٹینگ

وزارت روڈ جموں

۱۹/مارچ ۲۰۱۶ء

سخن ہائے آشنا

انفرادی طرز کا شعری مجموعہ

سخن ہائے آشنا، جناب مسعود ساموں کا مجموعۂ کلام ہے۔ اس کا مطالعہ کرتے ہوئے ایک عجیب سا احساس ہوتا ہے کیوں کہ بادی النظر میں اس مجموعہ میں شامل شاعری کبھی روایتی اور کبھی غیر روایتی لگتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس مجموعے کے بیشتر اشعار کا اندازِ بیان نہ صرف نیا ہے بلکہ جگہ جگہ الفاظ کا استعمال جن نئے پیرایوں میں کیا گیا ہے وہ روایتی شاعری سے قطعی مختلف ہے۔ اس مجموعے کے مطالعے سے ایک بات اور واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے اشعار کی پوری فضا معنویت سے معمور ہے۔ ابہام جو جدید شاعری کی پہچان ہے ان کے یہاں کہیں نظر نہیں آتا۔ اس لیے ہم ساموں کی شاعری کو اُن معنوں میں جدید شاعری نہیں کہہ سکتے جو جدیدیوں کی شناخت ہے۔ ان کے اشعار میں روایت اور جدّت کا ایک ایسا حسین امتزاج ملتا ہے جس کا احساس اور انکشاف قاری کو اُن کے پڑھنے کے بعد ہوتا ہے کہ شاعر کیا کہنا چاہتا ہے۔

'سخن ہائے آشنا' میں غزلیات کے علاوہ رباعیات کی بھی اچھی خاصی تعداد ہے۔ رباعی کی صنف چوں کہ اردو شاعری میں زیادہ مقبول نہیں ہے اس لیے اردو

شعرا نے اس کی طرف کم توجہ دی ہے۔ مجموعی طور پر اچھی رباعی کہنا ذرا مشکل بھی ہے اور شاعر عام طور پر اس کے اوزان میں کھو کر رہ جاتا ہے جس کا سیدھا اثر شعریت پر پڑتا ہے، لیکن مسعود ساموں کے ہاں ایسا نہیں ہے۔ ان کی رباعیوں میں نہ صرف شعریت برابر موجود ہے بلکہ قاری ان سے پوری طرح لطف اندوز بھی ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب اشعار میں شعریت ہوگی تو روانی بھی ہوگی اور مسعود ساموں کی رباعیوں میں یہ دونوں خوبیاں بہ درجہ اتم موجود ہیں۔ خیر آج رباعی تو رباعی اردو غزل بھی شعریت سے محروم ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ یہ باور کرنا پڑے گا کہ مسعود ساموں نے شاعری کی جس صنف کو بھی اپنایا ہے اُس میں نہ صرف ایک نیا انداز پیدا کیا ہے بلکہ یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ وہ بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں یا نظم کے، کیوں کہ رباعی بھی نظم کا ہی ایک حصّہ ہے۔ انہوں نے نثری نظمیں بھی کہی ہیں جو اس مجموعہ میں شامل ہیں۔ بہر حال اس حقیقت کو تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ موصوف ایک مشاق شاعر ہیں۔

اس وقت ہماری ریاست میں اردو زبان صرف آئین کے اوراق تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ اسے ختم کرنے میں اسی زبان کے ادباء اور شعراء کا نمایاں کردار رہا ہے۔ اس زبان میں لکھنے والے کچھ لوگ ایک مافیا گروہ کی شکل اختیار کر گئے ہیں اور ادب کی ترقی و ترویج کے سلسلے میں قائم کئے گئے کچھ سرکاری اور نیم سرکاری اداروں کے بعض کارکن بھی اس گروہ کے شانہ بہ شانہ چلتے نظر آتے ہیں۔ حیرت کا مقام ہے کہ جو لوگ اردو زبان ہی ٹھیک سے نہیں جانتے انہیں قدم قدم پر اعزازات اور انعامات سے نوازا جا رہا ہے اور ان کی ادب نوازی کا یہ عمل ہی اردو کی بیخ کنی کرنے میں ممد و معاون ثابت ہو رہا ہے۔ نتیجتاً اب جس طرح

کے ادیب اور شاعر منظر عام پر نمودار ہو رہے ہیں اُن کا کوئی پس منظر ہی نہیں ہے۔ اسے ادب کی بدقسمتی کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ آج کل اردو شاعری ایک کاروباری جنس بن کر رہ گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ ایسے ادیبوں اور شاعروں کو نوازنے والے بھی ایسی ہی صلاحیتوں کے مالک ہوں گے۔ ان باتوں کا اگرچہ اردو زبان پر منفی اثر پڑ رہا ہے لیکن اس کا کوئی حل نظر نہیں آتا اور یہ صورتِ حال بد سے بدتر ہوتی جا رہی ہے۔ اس کے باوجود خوشی کی بات یہ ہے کہ ان حالات میں بھی اردو کے کچھ ایسے لوگ ہیں جنہوں نے اس زبان کی خدمت کے لیے اپنی زندگی وقف کی ہوئی ہے اور جناب مسعود ساموں ان ہی میں سے ایک ہیں۔ موصوف کسی تعارف کے محتاج نہیں ہیں اور ریاست میں اپنی ایک خاص پہچان رکھتے ہیں۔ ان کا یہ شعری مجموعہ جو 'سخن ہائے آشنا' کے نام سے منصۂ شہود پر آرہا ہے، اس پہچان میں اضافہ کا باعث ہے۔ ساموں صاحب کو اردو زبان پر دسترس حاصل ہے۔ وہ الفاظ کی دروبست سے آگاہ ہیں اور اُن کے استعمال کا فن خوب جانتے ہیں۔

میں جب بھی کسی شعری مجموعہ کا جائزہ لیتا ہوں تو سب سے پہلے میری نظر کلام کی پختگی اور پاکیزگی پر پڑتی ہے اور اشعار کی شعریت مجھے اپنی طرف کھینچتی ہے۔ میں کلام میں سطحی پن برداشت نہیں کر سکتا اور بے ہنگم کلام میرے دل پر بار گزرتا ہے۔ آپ اسے میری کمزوری پر محمول کر سکتے ہیں۔ میری رائے میں جو سب سے بڑا مسئلہ ہے وہ کلام کا معیاری ہونا ہے۔ اگر مجھے کسی شاعر کا کلام اپنی طرف متوجہ کرتا ہے تو وہ ایسا کلام ہوتا ہے جس میں فنی خوبیاں ہوں اور وہ بھی صرف خیال تک ہی محدود نہ ہوں۔ چنانچہ زیرِ نظر مجموعہ کو جب میں نے پڑھنا

شروع کیا تو بس پڑھتا ہی چلا گیا۔ مطالعے کے دوران کسی قسم کی کوفت کا احساس ہونا تو دور کی بات ہے، بس طبیعت باغ باغ، بحال اور نہال ہو گئی۔

مسعود ساموں کی زندگی میں جو سادگی اور متانت ہے اسکی جھلک ان کے کلام میں بھی نظر آتی ہے۔ جب کسی کے یہاں سادگی ہو گی تو وہاں سنجیدگی کا ہونا قدرتی بات ہے۔ چنانچہ ساموں کی شاعری پر سنجیدگی کی ایک گہری فضا چھائی ہوئی ہے۔ خیر یہ سب باتیں برسبیلِ تذکرہ تھیں۔ میں یہ چاہوں گا کہ آپ بھی ساموں صاحب کے کلام سے لطف اندوز ہوں۔ لیجیے اس کی ابتدا اُن کی ایک نعت کے اِس شعر سے کرتا ہوں

ہے زمانے میں وہی نعرۂ حق کا بانی
صفحۂ بود سے باطل کو مٹانے والا

یہ شعر حقیقت پر مبنی ہے۔ اس میں جو خیال کی وسعت ہے وہ کسی دائرے میں بند نہیں ہو سکتی۔ ظاہر ہے کی شاعر زندگی میں تعمیری سوچ رکھتا ہے جو زندگی کے قریب نہیں بلکہ خود زندگی ہے۔ اس نعت کا یہ شعر بھی ملاحظہ ہو

اُس کی تعریف میں کیا نعت لکھیں گے ساموں
جس کی تعریف کرے آپ بنانے والا

"والا" بظاہر ایک عام لفظ ہے لیکن اس کے استعمال میں جو عقیدت جھلکتی ہے اس کی تفسیر ممکن نہیں۔ اور پوری نعت میں یہ عقیدت موجیں مارتی ہوئی نظر آتی ہے۔ نظر سے بہت کم ایسی شاعری گزرتی ہے جو ذہن اور دل کو بیک وقت متاثر کرتی ہے اور قاری ایسے کلام میں کھو جاتا ہے۔ ایک غزل کا یہ مطلع لیجیے

آتشِ خفتہ کو غاروں میں ٹھٹھرنا ہوگا
فیصلہ ہے کہ اسی گھر میں ٹھہرنا ہوگا

'آتشِ خفتہ' اور 'ٹھٹھرنا' کا تضاد قابل توجہ ہے۔ اس میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ لیکن شاعر نے جس طریقے سے اسے ہم آہنگ کیا ہے وہ داد سے بہت پرے ہے۔ 'غاروں' لفظ کے استعمال نے 'آتش خفتہ' اور 'ٹھٹھرنا' جیسے الفاظ کو پُر معنی بنادیا ہے۔ دوسرے مصرع کے کس کس لفظ کی داد دی جائے۔ اس مجموعہ میں شامل بعض اشعار تو ذہن و دل کو کچھ دیر کے لیے اپنے ساتھ بہا کر لے جاتے ہیں۔ اس مقطع کو کوئی کیسے نظر انداز کرسکتا ہے

یاد آتا ہے کہ برسات ہوئی تھی ساموں
مدّتیں گزریں ٹپکتی ہے مری چھت اب تک

اس شعر سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاعر زندگی میں کئی کڑے مراحل سے گزرا ہے۔ میں چونکہ خود ایسے مراحل سے گزرا ہوں اس لیے مجھے اس میں اپنی سر گزشت کی تصویر نظر آئی۔ شعر میں ایک ایسا تمثیلی منظر کھینچا گیا ہے جو پوری طرح ذہن پر چھا جاتا ہے۔ یہ شعر خاص طور پر توجہ کا طالب ہے

ہاتھ جب کٹ گئے دُعا کیسی
ان سے ہی واسطہ دعا کا تھا

اگر میں غلط نہیں تو اردو شاعری میں اس طرح کا شعر ناپید نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

'سخن ہائے آشنا' کے مطالعہ کے بعد مجھے اس بات پہ رشک آتا ہے کہ موصوف نے یہ مضامین کہاں کہاں سے لیے ہیں اور کیسی خوبی کے ساتھ انہیں شعر

کے قالب میں ڈھالا ہے۔

میں نے مسعود ساموں صاحب کے کلام کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے تو اس کا مقصد صرف اتنا ہے کہ آپ ان کی اچھی شاعری کی طرف راغب ہوں اوران کے کلام کی پاکیزگی اور معیار سے لطف اندوز ہوں۔اس مختصر سے مضمون میں آخر کس کس شعر کا حوالہ دیا جائے۔اس لیے آپ ان کے کلام کو پڑھیے اور خود اس کے بارے میں اپنی رائے قائم کیجیے۔

میں آخر میں اتنا ہی کہوں گا کہ ریاستی سطح پر اس قدر معیاری شعری مجموعے نہیں کے برابر نظر آئیں گے۔میں دعا گو ہوں کہ مسعود ساموں صاحب شعر کہتے رہیں جس سے صرف ریاست کا ہی نہیں اردو شاعری کا نام بھی روشن ہوگا۔آمین

عرش صہبائی

۵۳ / ریشم گھر کالونی جموں

جموں و کشمیر ۔۱۸۰۰۱۶

01912544088

کم گو سخنور...... مسعود ساموں

مسعود ساموں کافی عرصے سے شاعری کر رہے ہیں لیکن انہیں اپنا شعری مجموعہ شائع کرنے کا خیال اب آیا ہے جب وہ ریاستی انتظامیہ میں کئی اونچے عہدوں پر فائز رہ کر بے مثال کام کرنے کے بعد وظیفہ یاب ہو چکے ہیں۔ میں انہیں طالب علمی کے زمانے سے جانتا ہوں جب وہ نہایت کم گو اور ہر وقت کسی نہ کسی گہری فکر میں ڈوبے ہوئے نظر آتے تھے۔ مجھے اُن کی اُن دنوں کی شاعری اس لئے پسند تھی کہ وہ صرف قافیہ پیمائی نہیں ہوتی تھی بلکہ لگتا تھا کہ شعر کہنے والا ایک دردمند دل اور ایک فکرمند دماغ کا مالک ہے۔ آگے چل کر ان کی شاعری کا یہ فکری آہنگ اور پختہ ہوتا چلا گیا۔

مسعود نے شاعری کی اور اصناف کے علاوہ رباعی کی صنف پر بھی خاص توجہ دی ہے۔ یہ صنف چونکہ فکری آہنگ کی متقاضی ہوتی ہے اس لیے انہیں یہ خوب راس آئی۔ ان کی شاعری کی جو بات سب سے پہلے قاری کی متوجہ کرتی ہے وہ ہے ان کا فکری آہنگ اور زبان کا تخلیقی استعمال۔

مسعود فارسی اور اردو کی شعری روایات سے کما حقہٗ واقف ہیں۔ چنانچہ ان

کی شاعری اسی روایت سے نمو کرتی ہے لیکن وہ روایتی بالکل نہیں ہے۔ وہ روایت سے استفادہ ضرور کرتے ہیں مگر وہ لکیر کے فقیر ہرگز نہیں ہیں۔ ان کا اندازِ بیاں دلکش اس لیے ہے کہ ان کا لہجہ اپنے عصر کی زہرناکیوں میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ اپنے کئی معاصرین کی طرح نہ تو روایت کی چار دیواری میں نظر بند ہیں اور نہ ہی مداری کی طرح جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا تماشہ دکھاتے ہیں۔ وہ اپنے گردونواح کو اپنی ذات کے حوالے سے دیکھتے ہیں۔ نتیجتاً اُنہیں جو تلخ و تند تجربات حاصل ہوتے ہیں وہ انہی کی روشنی سے اپنے اشعار کو روشن کرتے ہیں۔

مسعود ساموں نے کم کہا ہے لیکن جو کچھ کہا ہے جم کر کہا ہے۔ ان کا یہ پہلا مجموعہ بہت تاخیر سے شائع ہو رہا ہے۔ اسے میرے خیال میں بہت پہلے شائع ہو جانا چاہیے تھا۔۔۔۔۔۔۔ پھر بھی دیر آید درست آید۔ جیسا کہ میں پہلے ہی عرض کر چکا ہوں کہ وہ کشمیر کے نازک ترین دور میں ریاستی انتظامیہ کے اونچے اونچے عہدوں پر اپنا فرضِ منصبی نبھانے میں مصروف رہے جس کی وجہ سے کلام کے چھپنے چھپانے کی طرف اُن کا دھیان ہی نہیں گیا۔

میں مسعود ساموں کو ان کے اِس پہلے شعری مجموعے 'سخن ہائے آشنا' کی اشاعت پر دل کے عمیق گہرائیوں سے مبارک باد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ ادبی حلقوں میں اس کی خاطر خواہ پذیرائی ہوگی۔

احقر

رفیق راز

مارچ/۲۰۱۶ء

باغات برزلہ سرینگر، کشمیر

حمد

محبّتوں کے نصاب سارے
اُسی کے لکھّے ہیں باب سارے

مروّتیں بے حساب اس کی
اُسی کو دینے حساب سارے

اُسی کا فرمان پانیوں پر
اُسی کی خلقت سراب سارے

اُسی کے بخشے ہیں رت جگے بھی
عطا کئے جس نے خواب سارے

کرے تو رسوائیاں مقدّر
جو دے تو عزّت مآب سارے

سکوں دلوں کو ہے یاد اُس کی
ہیں ورنہ لمحے عذاب سارے

وہی سکھائے سوال کرنا
وہ جانتا ہے جواب سارے

تمام جلوے اسی کے ساموں
اسی کی ظلمت حجاب سارے

☆☆☆

نعت

وہ جس کی زلفیں سیاہ پُر خم
وہ جس کا سب سے بلند پرچم

وہ جس کی صحبت تمام رحمت
وہ جس کا رتبہ تمام عظمت

وہ جس کی باتیں تمام عرفاں
وہ خُلق جس کا تمام قرآں

وہ جس کے بازو تمام قوت
وہ جس کی ہمّت تمام ہمّت

وہ جس کی تعریف عرش پر بھی
وہ جس کی توصیف فرش پر بھی

وہ جس کی شفقت کمال شفقت
وہ جس کی ہے بے مثال الفت

وہ جس نے راتوں کی نیند چھوڑی
وہ جس نے دن کی لگام موڑی

وہ جس نے سارے بتوں کو توڑا
وہ جس نے ٹوٹے دلوں کو جوڑا

وہ جس کو اپنوں نے بھی ستایا
وہ جس کو غیروں نے آزمایا

وہ جو یتیموں کا آسرا تھا
ستم رسیدوں کا ناخدا تھا

جو آشتی کا پیام بر تھا
وہ جو غریبوں کا چارہ گر تھا

وہ آسمانی نظام والا
وہ آب کوثر کے جام والا

وہ جس کے یاروں کی خاک پا کا
نہ بن سکا خاکِ پا زمانا

ہے نام لیوا اُسیؐ کا عالم
کہ اسم اُسؐ کا ہے اسمِ اعظم

اُسیؐ کی منّت سے بستیاں ہیں
اسیؐ کے صدقے میں ہستیاں ہیں

اُسیؐ کی خاطر بنا زمانا
اُسیؐ کی خاطر تمام دنیا

اُسیؐ کا امیّدوار ساموں
اُسیؐ کی خاطر سخن سرا ہوں

☆☆☆

نعت

صلح سے جنگ کا ہنگام بجھانے والا
امن کے واسطے تلوار اٹھانے والا

کھیتیاں ظلم کی، نفرت کی، مٹانے والا
پیار کے پھول خرابوں میں اُگانے والا

اُس کے قدموں کی بدولت بنے ادنیٰ اعلیٰ
وہ بلندوں کو بلندی سے گرانے والا

فقر و فاقہ سے تھی آراستہ جس کی محفل
نعمتیں سیکڑوں لوگوں کو دلانے والا

اک بشر، خیر بشر، خیر رسالت، پھر بھی
ایک ہی معجزہ قرآن دکھانے والا

ہے زمانے میں وہی نعرۂ حق کا بانی
صفحۂ بود سے باطل کو مٹانے والا

جس کی ہیبت سے سمٰوٰت بھی تھرّاتے تھے
نرم گفتار، طرح دار، رجھانے والا

یوں تو کہنے کو ہے وُہ گنبدِ خضریٰ کا مکیں
وہؐ زمیں والا، فلک والا، زمانے والا

اُسؐ کی تعریف میں کیا نعت لکھیں گے ساموںؔ
جسؐ کی تعریف کرے آپ بنانے والا

☆☆☆

منقبت

بہ حضور جناب شیخ العالم شیخ نورالدین نورانیؒ

خوشا یہ ذوق عقیدت وہ عالم تنویر
خوشا وہ فرط اشارت یہ عالم تقریر

خوشا یہ خامہ سعادت نصیب ہے جس کو
وگرنہ سب کو کہاں ہے یہ جرأت تقریر

وہ شیخ جس کی ضیا پاشیوں سے روشن ہے
ہر ایک گوشۂ دامانِ خطۂ کشمیر

وہ جس کے لطف و کرم کی نگاہ سے بدلی
لطیف و تاج و نصر زین و بام کی تقدیر

وہ کانِ نغمہ وہی معدنِ صفائے ازل
کہ جس کے نطق کو حاجت نہ تھی کوئی تحریر

ملا مقام اسے وہ بلندیوں پہ جسے
ترستی رہتی ہے صدیوں فطانت و تدبیر

وہ جس نے رمز ھو اللہ آشکار کیا
حیات جس کی رہی لا الہٰ کی تفسیر

وہ ریشی جس کے تصرّف میں نفس کا اشہب
نَفَس میں جس کے نہاں کُن فکان کی تاثیر

اسی کے جام سے کشمیر میں ہیں مست سبھی
اسی کے نام کی ہوتی ہے ہر جگہ تکریر

☆☆☆

آخری زینہ اُترتا ہے دہکتا منظر
یادِ رفتہ میں گرفتار ہے ڈھلتا منظر

سامنے سات سمندر پہ پھسلتی نظریں
اور پیچھے وہی خنجر سا اُترتا منظر

صبح ہر سمت بکھر جاتا ہے پو پھٹتے ہی
سوچتا رہتا ہے ہر شام سمٹتا منظر

ہاں سمٹ آئے گا، آ جائے گا پھر رات گئے
نا اُمیدی میں شرابور سسکتا منظر

اک نیا زاویہ اب مجھ کو ملا ہے ساموؔں
اب مری زیست ہے اک ڈوبتا اُگتا منظر

☆☆☆

آتشِ خفتہ کو غاروں میں ٹھٹھرنا ہو گا
فیصلہ ہے کہ اسی گھر میں ٹھہرنا ہو گا

میرا آنگن بھی تمازت سے بھرے گا دامن
دھوپ کو ایک ذرا اور اُترنا ہو گا

کتنا مشکل ہے کسی شخص کو اپنا کہنا
اور اُسے غیر بھی کہتے ہوئے ڈرنا ہو گا

آج کچھ دیر ہنسو وقت غنیمت سمجھو
کل یہاں کس کو خبر آہ بھی بھرنا ہو گا

پھر کبھی اُن سے ملیں بھی کہ نہیں کیا معلوم
آج کی رات ہمیں خود سے گذرنا ہوگا

☆☆☆

موج در موج زباں پر وہی لذّت اب تک
زاویہ زاویہ، اظہار کی چاہت اب تک

اب بھی اُس کوچے میں جاتا ہوں پلٹ آتا ہوں
راستہ بھولنے کی ہے مجھے عادت اب تک

وہی تاریک دریچے وہی ویراں رستے
میں وہی شہر وہی ہے مری حالت اب تک

کیا کہا! پوچھ رہے تھے وہ مجھے چاہت سے
سوچتے ہوں گے ادھر ہے وہی فرصت اب تک

یاد آتا ہے کہ برسات ہوئی تھی ساموںؔ
مدّتیں گزریں ٹپکتی ہے مری چھت اب تک

☆☆☆
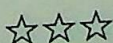
وہ خوش لباس، سراسر لباس لگتا تھا
کہاں سے آیا تھا! کتنا اُداس لگتا تھا!

قصور اُس کا نہیں وہ تو خیر منصف تھا
میں اپنی بات سے خود بدحواس لگتا تھا

نہ پوچھا حال، نہ موسم کی گفتگو چھیڑی
وہ بے مثال قیافہ شناس لگتا تھا

یہ دن کہ سامنے ہو کر بھی دُور ہے کتنا
وہ دن کہ دُور بہت ہو کے پاس لگتا تھا

ہزار ہنسنے ہنسانے پہ مسکراتا نہ تھا
کچھ اس قماش وہ مانوسِ یاس لگتا تھا

☆☆☆
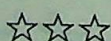
مسئلہ سارا اک انا کا تھا
رنجشِ آشتی نما کا تھا

وحشتِ تاریک میں اکیلا پن
تیز جھونکا کوئی ہوا کا تھا

مدّتوں تک خبر نہ لی اُس نے
کیا یہی فرض آشنا کا تھا

پُرسشِ حال میں خدا جانے
کس قدر شائبہ وفا کا تھا

سازشیں کچھ تو خوشبوؤں نے کیں
اور کچھ حاشیہ ہوا کا تھا

ہاتھ جب کٹ گئے دُعا کیسی
ان سے ہی واسطہ دُعا کا تھا

وہ وفاؤں سے دور تھا ساموںؔ
شائبہ جس پہ باوفا کا تھا

☆☆☆

آج مانوس بہت رختِ سفر لگتا ہے
گھر جو ویران ہے ویرانہ بھی گھر لگتا ہے

مدّتیں لگتے ہیں لمحے جو نہ تُو پاس رہے
یا ترے آگے بس اک رقصِ شرر لگتا ہے

بدلیاں آتی ہیں بن برسے گزر جاتی ہیں
گڑگڑاتا ہوا ہر ایک شجر لگتا ہے

آسماں! تیرے لئے ہاتھ، زباں، جاں سے گئے
اب ترا نام بھی آتا ہے تو ڈر لگتا ہے

ماہتاب! اب کسے حاجت ہے ترے جلوؤں کی
اب تو ہر داغِ جگر رشکِ قمر لگتا ہے

☆☆☆
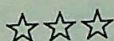
بولتی آنکھیں، ہرے زخم چھپانے کے لئے
مسکرا دیتے ہو کیوں صرف دکھانے کے لئے

سیکڑوں سال سسکنے پہ بھی کب وہ ملتا
آخر ش خود کو مٹایا اُسے پانے کے لئے

بھیڑ میں جو نہ رہے اک ذرا باہر نکلے
بات اتنی سی بہت تھی اُنہیں ڈھانے کے لئے

دیکھنا آنکھیں کھلی رکھنا کہ چاروں جانب
یوں ہی لوگ اُونگھنے لگتے ہیں دکھانے کے لئے

جو بھی دیوانے تھے اس شہر میں وہ کام آئے
اب نہیں کوئی یہاں خاک اُڑانے کے لئے

☆☆☆

کچھ نہ کہہ انہیں یہ سب پیار کے ستائے ہیں
نفرتوں کی بستی سے بھیک لے کے آئے ہیں

دُشمنوں کی سازش کا میں حساب کیا رکھوں
میرے دل پہ اپنوں نے کتنے ظلم ڈھائے ہیں

رہنے دے ذرا اے دل آج اپنی خود داری
پہلی بار برسوں میں وہ قریب آئے ہیں

اتنے سرد موسم میں نرم دھوپ کیا نکلے
رنجشوں کے بادل ہیں، دُشمنی کے سائے ہیں

پھر اُسی پہ تکیہ ہے پھر اُسی پہ برہم ہیں
جس کی بے گناہی کے سو فریب کھائے ہیں

☆☆☆

کمالِ جلوہ حجاب جیسا
کرم ہے اُس کا عتاب جیسا

غموں کی ان گہری ظلمتوں میں
وہی تو ہے ماہتاب جیسا

سدا نگاہوں میں گھومتا ہے
اُسی کا چہرہ گلاب جیسا

بجھا سکے گا نہ پیاس اپنی
لہو کا دریا سراب جیسا

نئے زمانے کا اسمِ اعظم
سیاہ افزا سیاب جیسا

ہزار کوشش کے بعد سامنے
نظر وہ آیا ہے خواب جیسا

چاندنی رات کے سایوں کی تلاشی لے لو
سرد راہوں کے لہو میں کوئی پیکر ڈھونڈو

پھر چلو لوٹ کے جو راہ جھلس دیتی ہے
چاند کے ساتھ ہی سورج کو پگھلتا دیکھو

پھر مری خیرہ سری مجھ کو ستانے آئی
پھر سرِ راہ کسی نے نہ انہیں چھیڑا ہو

پھر اُگے ہیں مری سوچوں کے سسکتے ارماں
پھر مری رات بلاؤں میں کٹے گی لوگو

میری تنہائی مری آہ کی تنہائی میں
کوئی الزام تراشو کوئی چہرہ نوچو

☆☆☆

کمرہ مرا کہ سُرخ لکیروں کا جال ہے
راہوں پہ بے بسی ہے اُجالا وبال ہے
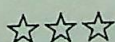
امکاں تمام تر تو لہو میں سمٹ چکا
سوچوں تو اب بھی مجھ کو اُسی کا خیال ہے

آندھی کہاں! کہ حبس و تمازت بلائے جاں
سانپوں کے غار میں مرا رہنا محال ہے

پتھر فضا میں اُڑتے پھریں ہیں ہزار ہا
زندانِ آرزو میں نہ شیشہ نہ بال ہے

چیخیں مری تلاش میں پھرتی ہیں چارسُو
آہٹ نہ ہو کہ پاؤں اسیر خیال ہے

☆☆☆

چاندنی رات کے سایوں کی تلاشی لے لو
سرد راہوں کے لہو میں کوئی پیکر ڈھونڈو

پھر چلو لوٹ کے جو راہ جھلس دیتی ہے
چاند کے ساتھ ہی سورج کو پگھلتا دیکھو

پھر مری خیرہ سری مجھ کو ستانے آئی
پھر سرِ راہ کسی نے نہ انہیں چھیڑا ہو

پھر اُگے ہیں مری سوچوں کے سسکتے ارماں
پھر مری رات بلاؤں میں کٹے گی لوگو

میری تنہائی مری آہ کی تنہائی میں
کوئی الزام تراشو کوئی چہرہ نوچو

☆☆☆

کمرہ مرا کہ سُرخ لکیروں کا جال ہے
راہوں پہ بے بسی ہے اُجالا وبال ہے

امکاں تمام تر تو لہو میں سمٹ چکا
سوچوں تو اب بھی مجھ کو اُسی کا خیال ہے

آندھی کہاں! کہ حبس و تمازت بلائے جاں
سانپوں کے غار میں مرا رہنا محال ہے
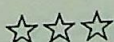
پتّھر فضا میں اُڑتے پھریں ہیں ہزار ہا
زندانِ آرزو میں نہ شیشہ نہ بال ہے

چیخیں مری تلاش میں پھرتی ہیں چار سُو
آہٹ نہ ہو کہ پاؤں اسیرِ خیال ہے

☆☆☆

آخری لمحے کسی کی جستجو
منزلیں ناکامیاں سب رو برو

ہے یہی اک شرطِ فصلِ رنگ و بو
جذب ہونے دو زمیں میں کچھ لہو

خوف کی کالی گھٹائیں ہر طرف
آتش و آہن کی بارش چارسو

دھوپ رفتہ رفتہ کم ہو گی ضرور
پھر سہانی شام پھر جام و سبو

جس سے ہے قطعِ تعلق کا بیاں
ہو رہی ہے پھر اُسی کی گفتگو

پھر چلی یادوں کی متوالی ہوا
پھر بکھرنے کو ہے دل کا تار و پو

آرام نہیں ، آبلہ پائی نہیں دیتا
پانی کو روانی نہیں کائی نہیں دیتا

دیتا ہے جسے عزمِ سفر دشتِ خلا کا
اس کو کبھی انعامِ رسائی نہیں دیتا

ماتھے پہ مرے صدمۂ بیداری ہی لکھ دے
آنکھوں کو جو خوابوں سے رہائی نہیں دیتا

اک جھونکے سے ہی شور بپا ہوتا تھا کتنا
جنگل میں تو اب کچھ بھی سُنائی نہیں دیتا

پانی میں کناروں سے بہائی ہوئی یادیں
اتنی ہیں کہ کچھ صاف دکھائی نہیں دیتا

☆☆☆
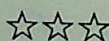
اک کہانی جانی پہچانی بہت
کیوں کبھی لگتی ہے بیگانی بہت

زندگی تیرے بغیر ، اے روشنی!
اک سسکتی رات طوفانی بہت

سخت مشکل مرحلوں کے درمیاں
یادِ یارِ مہرباں آنی بہت

پھر حدیں کیسی، کنارے کون سے
پاٹ کم تھا اور طغیانی بہت

بادلوں کی دوستی میں اِس برس
سوکھی آنکھوں کو ملا پانی بہت

دل کا قصہ مجھ سے کب لکھا گیا
دل کا قصہ تھا بھی طولانی بہت

وہ قرارِ دل، وہی آبِ حیات
بن گیا ہے دشمنِ جانی بہت

اک طرف سانسوں کی الفاظ کی
اک طرف یادیں فراوانی بہت

☆☆☆

ٹوٹا قصّہ ہوں کسی نام سے جوڑو نہ مجھے
ہے جدھر بھی مرا رُخ جانے دو موڑو نہ مجھے

اُن سے رنجش کا سبب پوچھنے والے لوگو
ایسے کِس کِس کے شکنجے میں نچوڑو نہ مجھے

میں ہی خود اپنے مقدّر پہ پڑا تالا ہوں
دھیرے اے یادِ صنم! تم کہیں توڑو نہ مجھے

جانے کس طرح کے سانچوں میں ڈھلا ہوں اب تک
ٹوٹ جاؤں گا میں رہ رہ کے مروڑو نہ مجھے

ہے ہوا تیز مری ڈور سنبھالے رکھّو
میں کہاں جانے الجھ جاؤں گا چھوڑو نہ مجھے

☆☆☆

سرد زینوں سے اترنا شبِ تنہائی میں
زرد پتے کی طرح جھڑنا شکیبائی میں

جب سے خوش رنگ پرندوں نے اڑانیں سیکھیں
جانے کیوں لطف نہیں آتا جبیں سائی میں

وہ مری دنیا سے مانندِ صبا گزرا تھا
اُس نے کب دیکھا مرے درد کی پہنائی میں

موسمِ گل کی مہک ٹھنڈی ہوا کے جھونکے
یاد آتے ہیں بہت جادۂ صحرائی میں

دل کو اعجازِ مراسم کا یقیں ہی نہ رہا
نہ وہ تاثیر ہے گفتارِ مسیحائی میں

جتنا ممکن ہو ردا دن کی بچھا دو ساموں
پھر سمٹ آئے گی شب ساعت یکجائی میں

اپنے ہی آپ کو بونے کا ثمر دے کے گیا
زرد صحراؤں کو سر سبز شجر دے کے گیا

جس نے دریا میں اُترنے کا دیا عزم مجھے
ہاں وہی ثانیہ گرداب کا ڈر دے کے گیا

ایک عرصہ تو رہا حبس دیارِ دل میں
پھر کوئی تند ہواؤں کو گزر دے کے گیا

کس نے ہم کو کیا کنجشک کی مانند شکار
کون تھا جو ہمیں چیتے کا جگر دے کے گیا

جس کے آنے سے لگی دل کی گرہ کھلتی ہوئی
وہ معمہ مری سوچوں کو بھنور دے کے گیا

ظلمتیں چار طرف خوب بچھانے والا
چشمِ بیدار و تمنّائے سحر دے کے گیا

اب تو مدّت سے اُسی شخص کو ترسوں ساموں
وہ گیا مجھ کو مگر دیدۂ تر دے کے گیا

☆☆☆

پھر تصوّر میں وہی دیدۂ حیراں دیکھوں
آنکھ کھولوں تو نظر خود سے گریزاں دیکھوں

کس کو تھا ہوش کسی شئے کا سفر کے دوراں
اب تو حیران ہوں دامن کہ گریبان دیکھوں

کیوں نہیں کھلتی گرہ یہ مری پیشانی کی
تیرے پہلو میں یہ کس ڈر کا بیاباں دیکھوں

میں نے اُس شخص کو تو خوب بنایا تھا مگر
دل میں اب درد سا کیوں پیہم و پیچاں دیکھوں

میں جسے اوڑھے ہوئے پھرتا ہوں دن میں ساموں
شب کو خوابوں میں بھی وہ شخص پریشاں دیکھوں

☆☆☆

جو سُن سکے طوالتِ شب کی زبان سُن
بکھری ہوئی بلائیں گراں تا کران سُن

روشن بلندیوں نے بڑی دیر بات کی
کیا کہہ رہی ہے اب یہ پھسلتی ڈھلان سُن

اب تک تھا میرا ذکر تو لہجہ کرخت تھا
اب اُن کا ذکر ہے تو کہانی کی شان سُن

بستی میں اب پناہ کوئی دے گا کب مجھے
نالاں ہے مجھ سے خود مرا اپنا مکان سُن

چہرے پہ میرے پھیلا ہوا یہ سکوں نہ دیکھ
اس کی تہوں میں کھولتا آتش فشان سُن

☆☆☆

پل بھر میں بیتی ایک قیامت کا نام عُمر
میخانۂ وطن سے جدائی کا نام عُمر

آتش کدہ ہے سینہ غمِ دوست کے سبب
روشن رہے گا دل میں یہ شعلہ تمام عُمر

مانا کہ ہم رہے ہیں ہمیشہ ہی نا مراد
آخر کہیں تو دے گی کسی دن تو کام عُمر

کچھ ساعتیں وصال کی دامن میں ڈال کر
اس دل کو دے گئی ہے غمِ نا تمام عُمر

یہ زندگی اندھیرے اُجالے کا کھیل ہے
اُمیّد کی ہے صُبح کبھی غم کی شام عُمر

☆☆☆

غم مسلسل رہا آنکھوں کو سمندر کرتا
ضبطِ پیہم بھی رہا پلکوں کے لشکر کرتا

کوئی معکوس سا کردار ہے مجھ میں پنہاں
فیصلے دونوں طرف اپنے ہی اندر کرتا

میں برہنہ غمِ ملبوسِ تمنّا لے کر
وہ مرے آگے سوالات کے خنجر کرتا

اس کہانی پہ تو سایہ کسی آسیب کا تھا
ورنہ کب شہر میں چرچا کوئی گھر گھر کرتا

جھلملاتے ہیں ابھی عکس تری یادوں کے
کوئی اعجاز گئے وقت کو پتّھر کرتا

وہ کہاں ساموںؔ شناسا مرے کردار کا تھا
میں بھی کیا اُس کی نگاہوں میں اُتر کر کرتا

سمجھاتا کس طرح میں تمہیں اپنے من کی بات
تُم نے کبھی پڑھی نہ کتابِ بدن کی بات

حیرت تو یہ ہے کیوں ہے تمہیں چُپ لگی ہوئی
کب سے یہاں چلی ہے تمہارے دہن کی بات

کاغذ پہ رُکتے سانسوں کی تصویر کیا کھنچے
لفظوں میں کیا سمائے کسی کی گھٹن کی بات

تنہائیوں نے ہم کو وہ بخشی ہیں وسعتیں
کیا فرق اب چلے نہ چلے انجمن کی بات

جس کے لئے ہو تازہ فضاؤں کو انتظار
سامؔوں وہ کب سُنے گا کسک اور چبھن کی بات

☆☆☆

دلِ ناکام مبارک ہو یہ اعزاز تجھے
کس طرح آیا سنبھلنے کا یہ انداز تجھے

کیسے ملتی ہیں یہاں آکے مخالف سمتیں
میرے پر کاٹے ہوئے، رغبتِ پرواز تجھے

میں سدا چھیڑوں گا نغمے جو تجھے یاد کریں
اور یقیں ہے کہ رُلا دے گا کوئی ساز تجھے

وہ بھی اک سحر تھا جس نے یہ بچھائے رشتے
کھینچ پھر مجھ کو جو آئے کوئی اعجاز تجھے

اب کے بوؤں گا بدن اپنا، نگاہیں اپنی
فصلِ گُل آئے تو دے دوں گا پھر آواز تجھے

☆☆☆

اپنے سانسوں سے بھی دھڑکن سے بھی ڈرتے رہنا
سیڑھیاں ٹوٹے ہوئے گھر کی اُترتے رہنا

میں ہوں اک چیخ جو خود اپنے احاطے میں نہیں
کہ صداؤں کا مقدر ہے بکھرتے رہنا

مری وسعت میں مرے کرب کے صحراؤں میں
دوست آ آ کے صبا بن کے گزرتے رہنا

مری رفتار کرے مجھ سے وفا ممکن ہے
تم ہر اک موڑ پہ کچھ دیر ٹھہرتے رہنا

بھیگتے رہنا یونہی موسمِ دل کا اکثر
اور کبھی تیرا دھنک رنگ اُبھرتے رہنا

میں تو محتاط چلا کرتا ہوں اکثر سا موں
دل کو عادت ہے مگر حادثے کرتے رہنا

موسم ہو، شجر شجر کیا
جانے درپیش ہے سفر کیا

آسماں سر پہ پڑنے والا ہے
سو رہا ہوں میں بے خبر کیا

نہ کہیں چھت، نہ ہے کہیں چوکھٹ
دینے والے دیا یہ گھر کیا

پیٹ بھرتا نہیں کسی صورت
یہ ملا ہے مجھے ہنر کیا

اس مرادوں کے شہر میں سامون
آرزوں کا یہ کھنڈر کیا

☆☆☆
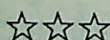
بھیگے موسم کی دہکتی سی جوانی دیکھنا
لکھ رہا ہوں پھر کوئی ٹھنڈی کہانی دیکھنا

یوں تو ہے ہر سمت ہی اک تشنگی، صحرا، سراب
کُچھ تو باقی ہو گی موجوں میں روانی دیکھنا

مدّتوں سے خشک ہیں لب گرمیٔ اظہار سے
رہ گیا ہو کچھ اگر آنکھوں میں پانی دیکھنا

کیوں اُجاڑ آنکھیں کبھی فارغ نہیں فریاد سے
کس کی صورت بس گئی ہے جاودانی دیکھنا

سارا قصّہ ہی فقط اُس شخص کا مذکور ہے
ایک قصّہ اب ہماری بھی زبانی دیکھنا

کُچھ نہیں جُز رنجش و افسوس تا حدّ نظر
اُس نے کیا کی کشتِ دل میں باغبانی دیکھنا

ہمسائے نے میرے اپنے بیچ کھڑی دیوار کی
دیکھا کیا رخنہ ڈالا کیسے یہ مسمار کی

دانا ہونا جرم بڑا ہے سچّائی بے کار کی
تعریفیں ہر سو ہوتی ہیں شخصِ نا ہنجار کی

پیتل بھاؤ فلک کو چھوتے دیکھ رہا ہوں اور ادھر
ساری طنابیں ٹوٹ رہی ہیں صرّافہ بازار کی

صاف مکر کیسے سکتا تھا آنکھیں بھی ہیں چیز کوئی
اُس نے ہم کو دیکھ کے لیکن تیز ذرا رفتار کی

اُن کا آگ بگولا ہونا کچھ وجہِ تشویش نہیں
سامّوں یہ بھی تو ہوتی ہے ایک ادا انکار کی

☆☆☆
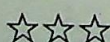
اُس کی خاطر دشت و جبل سر کرتے رہنا
اک سرگوشی منظر منظر کرتے رہنا

راہی پیچھے مڑ کر دیکھ نہ لینا ہرگز
اُس کا کام ہے سب کو پتھّر کرتے رہنا

سوکھے کی شدّت اس سال بہت ہو شاید
ہر موسم میں آنکھوں کو تر کرتے رہنا

اک نخلِ امید ہے تنہا اس صحرا میں
ہر صورت سیراب یہ بنجر کرتے رہنا

کہنا مرنے والے کی بس اک خواہش تھی
ایک بپا محشر سا محشر کرتے رہنا

چاروں سمت تلاطم خیز ہیں موجیں ساموؔن
ہر دم ذکرِ ماہ و اختر کرتے رہنا

دل پھر سے نوا سنجِ فغاں کیوں نہیں ہوتا
اشکوں کا یہ سیلاب رواں کیوں نہیں ہوتا

چالیس برس عمر گراں مایہ گنوا دی
پھر بھی ہمیں احساسِ زیاں کیوں نہیں ہوتا

کیوں قوسِ قزح پرتوِ خورشید کو ترسے
پھر نام کوئی وردِ زباں کیوں نہیں ہوتا

چلتی ہے وہی بادِ سبک گام مگر اب
سینے پہ کوئی کوہِ گراں کیوں نہیں ہوتا

سورج کو ہے کیوں خوف ٹھٹھر جانے کا ساموںؔ
پھر سوزِ دروں شعلہ فشاں کیوں نہیں ہوتا
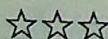
☆☆☆

نیند آنکھوں سے دور ہے کیوں
بیداری مجبور ہے کیوں

سیدھی راہ دکھانے والے
تو اتنا مجبور ہے کیوں

خالی ہاتھ اگر جانا ہے
ہنگامہ بھرپور ہے کیوں

دنیا کو ٹھکرانے والا
دنیا میں مشہور ہے کیوں

سب جس سے نفرت کرتے ہیں
سب پہ وہی مامور ہے کیوں

سوچوں کے سوداگر ساموں
جسم تھکن سے چوُر ہے کیوں

ملتفت ہوتا نہیں ساقی ہنوز
میرے شیشے میں ہے مے باقی ہنوز

شُستگی، شایستگی، باتیں فضول
ہے یہاں دستور قزّاقی ہنوز

سچ پڑا کونے میں دیکھوں منہ چھپائے
جھوٹ کی ترسیل آفاقی ہنوز

ایک عالم میں ہیں عالم صد ہزار
تشنۂ اظہار خلّاقی ہنوز

چاق ہے سینہ کہ سدِّ راہ ہے
میرے اُن کے بیچ ناچاقی ہنوز

☆☆☆

نیند آنکھوں سے دور ہے کیوں
بیداری مجبور ہے کیوں

سیدھی راہ دکھانے والے
تو اتنا مجبور ہے کیوں

خالی ہاتھ اگر جانا ہے
ہنگامہ بھرپور ہے کیوں

دنیا کو ٹھکرانے والا
دنیا میں مشہور ہے کیوں

سب جس سے نفرت کرتے ہیں
سب پہ وہی مامور ہے کیوں

سوچوں کے سوداگر ساموںؔ
جسم تھکن سے چور ہے کیوں

ملتفت ہوتا نہیں ساقی ہنوز
میرے شیشے میں ہے مے باقی ہنوز

شُستگی، شایستگی، باتیں فضول
ہے یہاں دستور قزّاقی ہنوز

سچ پڑا کونے میں دیکھوں منہ چھپائے
جھوٹ کی ترسیل آفاقی ہنوز

ایک عالم میں ہیں عالم صد ہزار
تشنۂ اظہار خلّاقی ہنوز

چاق ہے سینہ کہ سدِّ راہ ہے
میرے اُن کے بیچ ناچاقی ہنوز

☆☆☆
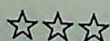
وقت کی نبض رُکتی ہے اک پل کہاں
ہم جہاں بھی کہیں آج ہیں کل کہاں

دھوپ، آنگن، صبا، پھول، پیاری رُتیں
یوں تو کیا کچھ نہیں تیرا آنچل کہاں

مدّتوں سے ترستی ہیں یہ کھیتیاں
تیرے لطف و کرم کی وہ جل تھل کہاں

کچھ ہواؤں کی سازش سے بچھڑے ہوئے
کون جانے برستے ہیں بادل کہاں

درد، وارفتگی کچھ نئے تو نہیں
جیسے اب ہیں کبھی ہم تھے بے کل کہاں

☆☆☆

پیڑ بے برگ وصدا، برف ٹھٹھرتا موسم
آگ کی طرح رگِ جاں میں اترتا موسم

بجلیاں، شور، گرج، ٹوٹ کے گرنے کی صدا
چونکتا، اپنے ہی سائے سے بھی ڈرتا موسم

چادریں چھین لیں، سر لے گیا، آتے آتے
اور کیا کیا نہ بتائے گا بپھرتا موسم

رنگ مٹّی کا یہ کیا ہے، یہ کیسی خوشبو
کیسی سوغات، یہ کیا فیصلہ کرتا موسم

زرد سا چہرہ، پھٹے ہونٹ، لرزتے آنسو
ایسا لگتا ہے نہ گزرے گا گزرتا موسم

ریت کیا دھوپ فضا ساری برہنہ ساموں
اک نہ تھی شاخ ہری کیسے سنورتا موسم

لطف و مروّت کا بادل پھر راہ پہ کیونکر آئے گا
خوب برسنے والا کب تک پیاسوں کو ترسائے گا

دشت و جبل کا ساتھ ہمارے ماتھوں پر تحریر ہوا
کاتبِ اوّل کا لکھا ان ہاتھوں کیا مٹ پائے گا

اک چادر سی سب کو لئے پاتال میں جا کر بیٹھے گی
ایک دھماکہ اس بستی کی رگ رگ میں ہو جائے گا

زہریلا نیلا آکاش اور اجگر جیسی دھرتی دیکھ
ایک زمرّد اک تریاق سے کب تک دل بہلائے گا

وصل کی شب ساموں مدّت کے بعد مرے گھر آئی ہے
کیا ہو گا جب صبح مجھے تعبیر کوئی بتلائے گا

☆☆☆
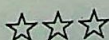
کسی کا ذکر کسی کا کہا سخن ٹھہرا
ہمارا حصّہ، بس اک زخم اک چبھن ٹھہرا

کرن کرن وہ اُترتا بھی میری آنکھوں میں
مرا ہی جسم اندھیروں کا بانجھ پن ٹھہرا

سحر سحر وہی اندھے بھٹکتے سائے ہیں
ڈگر ڈگر پہ اُترنے کو ایک رن ٹھہرا

کسی کو کھوجیں، کسی کی شبیہہ کیا سوچیں
کہ اُس کی سوچ ہی خود اک دوانہ پن ٹھہرا

میں سنگ سنگ تراشا ہی جاؤں گا ساموںؔ
کہ ریزہ ریزہ بکھرنا ہی میرا فن ٹھہرا

☆☆☆
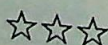
اُن سے ملنے کی بے قراری ہے
آج کی رات کتنی بھاری ہے

فاصلے طے نہیں ہوئے، نہ ہوئے
داستاں مختصر ہماری ہے

یک زباں ہیں کئی سوال یہاں
واں طلسمی سکوت طاری ہے

وہ جہاں مے چھلکتی ہے پیہم
ہاں وہیں انگبین جاری ہے

وسعتو! کیا کوئی سبیل نہیں
غنچہ غنچہ حیات ساری ہے

☆☆☆
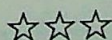
پھر مجھے پکار، میرا اختیار چھین لے
پھر مجھے سمیٹ لے، مرا قرار چھین لے

ہیں سراب در سراب، خواہشوں کی بستیاں
ہر چمکتی شے، ہر ایک ریگ زار چھین لے

آخری شجر کی کونپلیں نہ پھوٹیں پھر کبھی
آخری شجر سے چشمِ اشکبار چھین لے

جو تمام پتّیوں کو روندتا گزر گیا
اک ذرا تناوروں کے برگ و بار چھین لے

پھر تمازتوں کی کھیتیاں بکھیر ہر طرف
جس قدر بھی ہیں درخت سایہ دار چھین لے

☆☆☆
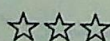
آنکھیں دھندلائی، دل آوارہ، اُگے کیا منظر
لاکھ رُت تازہ سہی، ذہن ہیں سارے بنجر

خاک سمجھے گا لپکتے ہوئے شعلوں کی زباں
جس نے دیکھا ہی نہ ہو برف رتوں کا منظر

اب تو مفہوم تحفّظ کا تحفّظ ہی نہیں
ایک سی بات ہے اک جیسا ہے گھر یا باہر

اک زمانے سے مرے اُن کے مراسم نہ سہی
میں وہی، وہ بھی ہے آلودہ لہو سے خنجر

عافیت کوش تھے تدبیر میں سرگرداں تھے
جانے کب آیا تھا سیلاب گھروں کے اندر

وہ بھی کیا دن تھے، گلابوں کے رسیلے نغمے
یہ بھی کیا راتیں، کسک، درد، گھٹن، سب پتھر

❖

کاوشِ دیدۂ بیتابِ تمنّا ساموں
ستہ بہ ستہ آگ اُترتی ہوئی اندر اندر

☆☆☆

خوف تھا جس کا وہ آخر ہوگیا اس شہر میں
حیف ہر کوچہ سمندر ہوگیا اس شہر میں

اے زمانے! کیا ہوئیں مل بیٹھنے کی وہ رُتیں
آشنا بیگانہ کیونکر ہوگیا اس شہر میں

زندگی مرگِ مسلسل، مرگ تا حدّ نظر
زندگی کرنا مقدّر ہوگیا اس شہر میں

آندھیاں ساری کمیں گاہوں سے باہر آگئیں
دھندلا ہر ایک منظر ہوگیا اس شہر میں

دل وہی نظریں وہی خوشبو مگر معدوم ہے
کس طرح ہر پھول پتھّر ہوگیا اس شہر میں

اب ترستے ہیں سخن کو، آنکھ پتھرائی ہوئی
ہر طرف طاری بس اک ڈر ہو گیا اس شہر میں

بستیاں جلتی ہوئی، جشنِ چراغاں ہر طرف
آگ ہی لگنا مقدّر ہو گیا اس شہر میں

☆☆☆

جس کی شاخیں ہوں جھکی ایسا شجر کوئی نہ تھا
قد بہت اُونچے، بہت اُونچے، ثمر کوئی نہ تھا

دن گزرتے تھے، شبوں کے سرد سنّاٹے بھی تھے
بولتے منظر نہ تھے شام وسحر کوئی نہ تھا

وسعتیں، گہرائیاں، موجیں، تلاطم ہر طرف
اک سے اک بڑھ کر شناور تھا، گہر کوئی نہ تھا

کب سے بیٹھا تھا کوئی رختِ سفر باندھے ہوئے
تھا سفر درپیش، امکانِ سفر کوئی نہ تھا

دُور تک پھیلا ہوا تھا شہر کا نقشہ عجیب
تھے مکاں چاروں طرف دیوار و در کوئی نہ تھا

منہ تھے سب لٹکے ہوئے، ہونٹوں پہ خاموشی سہی
ہونے والے حادثے سے بے خبر کوئی نہ تھا

نیلگوں وسعت میں تارے تھے درخشاں بے شمار
کالی راتوں میں مگر مثلِ قمر کوئی نہ تھا

تھی فقط ساموںؔ چمن میں چشمِ بینا کی کمی
دیکھنے والے بہت تھے دیدہ ور کوئی نہ تھا

☆☆☆

دکھا نہ اپنا کمال اتنا
کہ دیکھنا ہے زوال اتنا

ڈسیں گی آخر کو سانپ بن کر
محبتوں کو نہ پال اتنا

کسے خبر تھی کہ دور رہنا
ہے پاس رہ کر محال کتنا

سدا کوئی دل میں بس ہی جائے
نہ رکھ کسی سے ملال اتنا

ستائے جاتا ہے روز و شب کیوں
مجھے کسی کا خیال اتنا

خدا سمجھنے لگے وہ خود کو
بڑھا نہ دستِ سوال اتنا

ایک پل میں کیا تماشا کر گیا
اک نظر میں سب کو اچھا کر گیا

دیکھ لو یہ سادہ لوحی کا کمال
کتنی سوچوں کو معمّا کر گیا

اک جھلک دکھلا کے بجلی کی طرح
دیکھنے والوں کو اندھا کر گیا

آسماں پر چھایا جب بادل گھنا
خشک صحراؤں کو دریا کر گیا

آگیا میداں میں بے تیغ و سناں
سارے اندازوں کو اُلٹا کر گیا

☆☆☆

نظر نے آج کسے بے نقاب دیکھا ہے
ہزار رات کے بعد آفتاب دیکھا ہے

اُلجھتی جاتی ہیں آپس میں ہر قدم موجیں
بدن نے آج یہ کیا اضطراب دیکھا ہے

کرشمہ دیکھنے والی نگاہ کا سارا
جسے بھی دیکھا اُسے لاجواب دیکھا ہے

سسکتی راتیں، بپھرتی ہوائیں باقی ہیں
چمکتے تارے، کُھلا ماہتاب دیکھا ہے

ڈر آنے والے دنوں کا گئے دنوں سے سوا
تمام شہر نے یہ کیا عذاب دیکھا ہے

ترس گئے ہیں جسے مدّتوں سے اے ساموںؔ
اُسی کا لطف و کرم بے حساب دیکھا ہے

حرف وصوت اور لفظ ومعنیٰ کا بیاں کب تک کروں
شام ہونے کو ہے ذکرِ مہ وشاں کب تک کروں

مہر خاموشی لبوں پر لے کے کیوں بیٹھا رہوں
سچ کی خاطر جسم و جاں کا امتحاں کب تک کروں

کون سنتا ہے کسے فرصت ہے، سب ہیں کور چشم
قاتلوں کے سامنے آہ وفغاں کب تک کروں

آخری قطرہ لہو کا بہہ چکا اس رسم میں
احترام و اہتمامِ دوستاں کب تک کروں

پیار کے نغموں سے پھیلا دوں پیامِ آشتی
امنِ انساں رہنِ شمشیر وسناں کب تک کروں

☆☆☆

کوئی ہے زور سے پھینکے ہوئے پتّھر کی طرح
کوئی بے زور، کسی شاخِ ثمرور کی طرح

ہاتھ میں اُس کے قضا، آنکھ سے سُرخی ٹپکے
بات کیا اُس سے کرے کوئی برابر کی طرح

جو بدن میں کبھی رہتا تھا لہو کی صورت
وہی پہلو سے گزر جاتا ہے خنجر کی طرح

میں ہوں استادہ مقابل، تنِ تنہا مرکز
یادیں ہر سمت چڑھی آتی ہیں لشکر کی طرح

پیاس کیا کوئی بجھائے، پاس کیا آئے کوئی
موج در موج یہ پانی ہے سمندر کی طرح

نہ سہی میرا مخاطب نہ سہی میرے قریب
مرے اشعار سمجھتا ہے سخن ور کی طرح

پہلی بارش ہو تو لکھتا ہوں بہاروں کا حساب
خوشبوؤں، ذائقوں، رنگوں کا، فضاؤں کا حساب

دوستو دیکھو کہ ہے شہر کا قانون نیا
دھوپ کو سایہ کہو، پانی کو لکھنا ہے سراب

اک نیا باب، نئی مد ہے، نیا ہے فرمان
حاکم شہر بھی ہے، شہر بھی ہے زیر عتاب

اُن کے رُخ کی یہ کرامات، نظر کی سوغات
سب نئے لفظ، نئے معنیٰ، نئی ساری کتاب

دیکھ نیرنگیٔ گفتار کہ سامُوںؔ آخر
ایک ہی بات میں تھا سارے سوالوں کا جواب

☆☆☆

جمالِ نیم شبی، بندشِ قبا آزاد
طپیدہ دامنِ صحرا، شگفتہ باغِ مراد

کہیں تو لفظ کٹیں چُپ رہیں تو آپ کٹیں
"کرم ہے یا کہ ستم تیری لذّتِ ایجاد"[1]

ہوا میں پھینکا ہو پانی پہ لکھ دیا ہو جسے
مگر اُسی کو کہا ہو خدائے بست و کُشاد

کسے پُکارو گے اس آئینوں کے صحرا میں
ہر ایک عکس یہاں مبتلائے صد اُفتاد

☆☆☆

1: اقبال کا مصرعہ ہے

مرا دریا بھی ہے دشمن، مرا ساحل بھی حریف
آسماں سو نکل آیا ہے ہواؤں کا حلیف

گھوم جاتا ہے جہاں آنکھ میں نقشہ اُس کا
دل وہیں باندھنے لگتا ہے مضامینِ لطیف

سادگی دیکھ گزرتا ہے گماں گرچہ قوی
ملتفت بھی وہ کبھی ہوں گے یقیں ہے سو ضعیف

ہیں مضامیں تو بہت قافیہ پیمائی کو
لیکن ہر ایک غزل میں غمِ جاناں ہے ردیف

☆☆☆

دھیمی دھیمی ہوا زرد پتّے، غبار اور میں
سرمگیں شام سایوں کے اوپر سوار اور میں

برف کی چادروں کو بدن پر لپیٹے ہوئے
سنسناتی ہوئی چوٹیاں انتظار اور میں

رات بھر سنگلاخوں میں تپتی ہوئی دھوپ سی
صبح کچھ نرم یادوں کی ہلکی پھوار اور میں

آس پاس ایک ٹھنڈی سی چھاؤں بکھیرے ہوئے
آگ ہی آگ اندر ہی اندر چنار اور میں

☆☆☆

کبھی مسکرا دے اے دل کہ یہ زیست مختصر ہے
یہ کہاں سے تو نے سیکھا ہے غموں سے چوُر رہنا

کبھی ہجرتوں کی بستی میں تڑپ تڑپ کے مرنا
کبھی محو گفتگو بھی سرِ کوہِ طور رہنا

عجب التفات سا موں ہے کسی کی بے رُخی میں
کبھی زیرِ لب تبسّم کبھی دوُر دوُر رہنا

☆☆☆

آپ کہتے ہیں کہ محفل میں خبردار رہو
آپ نے ہوش سے بیگانہ بنا رکھا ہے

سوچتا رہتا ہوں ہر بات ارسطو کی طرح
جب سے اک شخص نے دیوانہ بنا رکھا ہے

آنے دے یاد کوئی بیتے دنوں کی ساموںؔ
کیوں نہاں خانے کو غم خانہ بنا رکھا ہے

☆☆☆
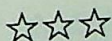
بکھیرتا ہوں جسے نقش نقش دن بھر وہ
شبیہہ شام کو کمرے میں رینگ آتی ہے

کسی کی یاد ہے بادل کا کوئی ٹکڑا سا
ہر ایک پل نئی صورت بدلتی جاتی ہے

میں بند کمرے میں بیٹھا مجھے خبر ہی نہیں
کہ دھوپ اُتری ہے آنگن میں گنگناتی ہے

یہ سانحہ بھی ہوا، ہوگیا مگر ساموںؔ
نہ اُن کے وصل کو ترسیں نہ یاد آتی ہے

☆☆☆

کس طرح بھولے کوئی ابر کے اُس ٹکڑے کو
ریگزاروں میں جو دو چار قدم ساتھ چلے

ایک بدلی تری یادوں کی جو گھِر گھِر آئی
ساتھ تھی گرچہ زمانے کے ستم ساتھ چلے

کیسا ریلا تھا خدا جانے کہاں سے آیا
اس کے بعد آج تلک دیدۂ نم ساتھ چلے

☆☆☆

کھل پڑیں خواب میں اک چشم زدن میں سا موں
گتھیاں ایسی جو سلجھیں نہیں سلجھانے سے

ہاں پرندے تو سر شام ہی لوٹ آئیں گے
رکھ سکو گے تو دریچوں کو کھلا ہی رکھنا

رباعیاں

ٹھنڈا وہ مرا ولولہ کرتا کیسے
میں طے ہی کوئی مرحلہ کرتا کیسے
جس شخص نے آیئنے کو لکھا کرچیں
وہ حق میں مرے فیصلہ کرتا کیسے

☆

آئی ہے کہاں شہر میں بن کی خوشبو
بچھڑے ہوئے محبوب بدن کی خوشبو
آ اور بھی آ اور بھی آ اور بھی آ
بھولی ہے کہیں رستہ وطن کی خوشبو

☆

اچھا ہے اشاروں میں کہانی لکھنا
آنکھوں کا جہاں ذکر ہو پانی لکھنا
قصہ جو کبھی حسرت و ناکامی دل کا
لکھو تو اسے میری زبانی لکھنا

☆

اٹھتا ہے گھٹے درد کہ جاں باقی ہے
سرمایۂ احساسِ زیاں باقی ہے
آنکھوں میں مری جھانکنے والی آنکھو!
کھنڈر ہی سہی کچھ تو نشاں باقی ہے

☆

صحرا میں سرو سبز شجر کا موسم
اچھا بہت اچھا تھا سفر کا موسم
ہونے لگی پھر صحن میں بوندا باندی
پھر خشک ہوا جاتا ہے گھر کا موسم

☆

قربت کی تپش ایسی کہ دریا اترا
شبنم سے بدن میں صحرا صحرا اترا
چمکی مری آنکھوں میں یہ کیسی بجلی
اک لمحے میں صدیوں کا اندھیرا اترا

☆

اوّل تو گھلی خوں میں شرر کی آہٹ
ہاں یاد ہے پھر دیدۂ تر کی آہٹ
اک عمر تھا سناٹا دیارِ دل میں
اب دیکھوں ہر اک سمت کھنڈر کی آہٹ

☆

بیتی ہوئی برسوں کی ڈگر لایا ہے
سوغات وہی پرانا گھر لا یا ہے
دیکھو تو رواں دواں ہے کتنا ساموں
یہ لمحہ جو پیغامِ سفر لا یا ہے

☆

ڈرتا ہوں اڑا لے گی مجھے بھی اک دن
دامن میں چھپا لے گی مجھے بھی اک دن
خیام کے خیمے کو اکھیڑا جس نے
وہ آندھی اکھیڑے گی مجھے بھی اک دن

☆

لکھ لوحِ جبیں میری پشیماں لکھ دے
ہاں صفحۂ ادراک پریشاں لکھ دے
ہر بات بنا پوچھے ہی لکھنے والے
نا دیدہ قلم دیدۂ گریاں لکھ دے

☆

ہنگامہ بھلا سوچ کے اُترا ہو گا
جنگل کو خلا سوچ کے اُترا ہو گا
بن پوچھے رگِ جاں میں اُترنے والا
سوچو کہ وہ کیا سوچ کے اُترا ہو گا

☆

ہاں مرحلۂ جاں سے گزر جانا ہے
اک آخری نقطے پہ ٹھہر جانا ہے
صد رنگ دھنک سا اڑنے والے پنچھی
افلاک کی سیڑھی تو اتر جانا ہے

☆

ہر دل کو ہر احساس کو دھڑکن لکھا
اور ترکِ تعلّق کو بھی بندھن لکھا
اک شب کی سیاہی میں ڈبو کر خود کو
کس شخص نے اس صبح کو روشن لکھا

☆

طوفان کے درمیاں مچلتی آجا
چندا سی گگن پہ ڈھلتی آجا
یادوں کی لہریا پہ پھسلتی کشتی
ندیا کے بدن پہ رکتی چلتی آجا

☆

صدمہ جو سہا ہم نے تو سہنے کی طرح
افسانہ کہا جہاں میں کہنے کی طرح
برسوں سے کھنڈر میں دل کے رہنے والے
"تم ہم میں رہے مگر نہ رہنے کی طرح"[1]

☆

ہر سانس مہکتا تھا ہوا روشن تھی
اک ذکر تھا اور ساری فضا روشن تھی
ہر سمت اجالا تھا مگر کالا تھا
وہ شمع بھی کیا مثل خدا روشن تھی

☆

۱: شمس الرحمٰن فاروقی کا مصرع ہے

کیا علم کہ کب کس کو چنتے ہے جنگل
ہاں کب سے مرے سر پہ اڑے ہے جنگل
کہتا ہوں کہ اے کاش نہ اُپجا ہوتا
ہر لمحہ نیا سر پہ اُگے ہے جنگل

☆

کہتا ہوں رباعیاں ہی کہتا جاؤں
بے سمت فلک کی آنکھ سہتا جاؤں
افکار کی کشتی کو نئے ساحل پر
لے جاؤں ہوا کے رخ پہ بہتا جاؤں

☆

اک عمر کا انجام یہ ڈھلتا منظر
یہ آخری لمحات یہ جلتا منظر
یادوں کی بس اک آنچ پہ دھیمی دھیمی
برف، آنسو، خلا، پگھلتا منظر

☆

زہر اپنی رگوں میں گھولتی ہیں کب سے
گٹھڑی دکھوں کی کھولتی ہیں کب سے
اے بادِ مراد اب تو کہیں سے آجا
ترسی ہوئی آنکھیں ڈولتی ہیں کب سے

☆

ہر آنچ کی تقدیر ٹھٹھرنا ٹھہرا
تدبیر کے سائے سے بھی ڈرنا ٹھہرا
حصّہ ترا آسماں کی خواہش والے!
بوسیدہ زمیں زینے اترنا ٹھہرا

☆

ہر سانس گھٹن زور ہمارے اندر
بادل ہیں سو گھنگھور ہمارے اندر
اے دل ہو کبھی ان کے کرم کی برکھا
ترسے ہے کوئی مور ہمارے اندر

☆

کچھ اپنی دعاؤں میں اثر باقی ہے
اس گہرے اندھیرے کی سحر باقی ہے
سو بار گزر چکے ہیں جس منزل سے
سو بار وہی راہ گزر باقی ہے

☆

ہونا ہے ہمیں اگر تو فانی کیوں ہے
پھر چند دنوں کی زندگانی کیوں ہے
ہر ایک گرہ پہ ہے گرہ لاینحل
ہوں الجھنیں اور نام کہانی کیوں ہے

☆

ہر ثانیہ ذکرِ دلِ ناشاد نہ کر
اس بزم میں خوش کون ہے فریاد نہ کر
کہتے ہیں گیا وقت نہیں پھر آتا
چل! وقت یونہی باتوں میں برباد نہ کر

☆

ہر سمت سوالات کا صحرا ہونا
انجانی کسی پیاس کا گہرا ہونا
ان دیکھی گھٹا کا بھی کوئی ہونا ہے
ہونا ہے گرجتا ہوا دریا ہونا

☆

دنیا میں کوئی آدمی خوش وقت نہیں
جینا فقط اپنا ہی یہاں سخت نہیں
ہرچند ہراک بات ہے ممکن ساموںؔ
ہے بات کہ امکاں کی کوئی سمت نہیں

☆

طوفاں سا کوئی دشت میں پیچاں دیکھوں
ہر روز یہی خوابِ پریشاں دیکھوں
یا زاویۂ دیدۂ حیراں دیکھوں
یا دائرہ گردشِ دوراں دیکھوں

☆

جاتا ہوں کدھر دیکھنا میں کیا جانوں
ہے رات کہ دن سوچنا میں کیا جانوں
کہتا ہے مجھے جو بھی وہ کہتا ہی رہے
کہنے سے اسے روکنا میں کیا جانوں

☆

ہستی سے خود اپنی ہی جدا ہو جانا
یا گم شدۂ بحرِ فنا ہو جانا
اس جسم کا ہونا بھی کوئی ہونا ہے
ہونا تو ہے ہوتے ہوئے لا ہو جانا

☆

یا جلوہ دکھا طاقتِ بینائی دے
یا نام مٹا جامِ شکیبائی دے
مجبور نہیں تیرا نظامِ تکوین
درمان جو نہ دے درد کو پہنائی دے

☆

کچی فصلوں کا رنگ دھانی کر دے
شعلے کو اگر چاہے تو پانی کر دے
گم نام سخن کو داستانی کردے
مشہور مری عجز بیانی کردے

☆

وہ جھیل سی پیالوں میں چھلکتی آنکھیں
وہ شوخ غزالوں سی مچلتی آنکھیں
یادوں کا کھنڈر اور یہ برستی بدلی
دکھلائیں گی کیا روپ بدلتی آنکھیں

☆

اک بات میں برسوں کی کہانی کہنا
رک رک کے گھہے گھہے روانی کہنا
آساں ہے مجھے حروفِ ابجد کی طرح
ہر چند کہ مشکل ہے رباعی کہنا

☆

پھر ان سے کوئی سلسلہ جنبانی کر
پھر نیند اڑا رخصتِ ستمرانی کر
عرصہ ہوا خاموش پڑا ہے یوں ہی
اے دل کوئی سامانِ پشیمانی کر

☆

دیکھا ہے طرب بھی ہم نے غم سے پہلے
خرم بھی کبھی تھے چشمِ نم سے پہلے
اے دل یہی اوقات ہے اس دنیا کی
اوروں پہ یہی گزری ہے ہم سے پہلے

☆

اے دل تو ملول کیوں رہتا ہے
یادوں کے کچوکے روز کیوں سہتا ہے
منظور نہیں کسی سے جو داد رسی
ہر شخص سے حال اپنا کیوں کہتا ہے

☆

اب ان سے کوئی بات بھی کرنے نہیں دیتا
اس راستے اک بار گزرنے نہیں دیتا
دیواروں فصیلوں کی عنایات کرامات
اس درجہ گھٹن آہ بھی کرنے نہیں دیتا

☆

بس ایک وہی بات جو ہو جاتی ہے
دیکھوں جو انہیں عقل ہی کھو جاتی ہے
قسمت بھی مری طرفہ تماشا ہے کمال
جب جاگنا ہوتا ہے تو سو جاتی ہے

☆

کس منہ سے تجھے کہیں نہیں ایسی مجال
کس طرح کریں سوال اے جان سوال
اے دعوتِ آئینۂ صد لختِ وصال
اے شورشِ گردابِ تماشائے خیال

☆

سو بات کی اک بات کہوں یا نہ کہوں
اس دل کو میں اپنا کہوں بیگانہ کہوں
جو دل ہو ہزار خواہشوں کا مرکز
ساموںؔ اسے کعبہ کہوں بتخانہ کہوں

☆

تھک ہار کے شکوہ کوئی کرنا کیا
آندھی کا کسی جگہ ٹھہرنا کیا
جینے کا تو مطلب ہی گزر جانا ہے
زندہ ہیں تو پھر موت سے ڈرنا کیا

☆

دل پر کرے عقل حکمرانی کیسی
مستی میں نہ گزرے وہ جوانی کیسی
جس میں نہیں کوئی موڑ، رستہ کیسا
بے کیف اگر ہو تو کہانی کیسی

☆

آجا کہ تجھے کحلِ بصارت کر لوں
سکھ چین ذرا دیر تو غارت کر لوں
آ پاس مرے پاس نہیں کیوں آتا
سانسیں تری سانسوں سے عبارت کرلوں

☆

سیپی کے شکم میں وہ گہر کیا ہوگا
یہ برف یہ وادی یہ نگر کیا ہوگا
سبزے پہ ذرا دیر تو ستا لینا
سبزہ تو ہے کل کس کو خبر کیا ہوگا

☆

اے صدمۂ جانکاہ رگِ جاں میں اُتر
ساحل کی جھجک چھوڑ کے طوفاں میں اُتر
بجلی کی چمک جیسا اُتر آنکھوں میں
ہنگامہ سراسر دلِ ویراں میں اُتر

☆

حالِ دلِ صد لخت کہوں یا نہ کہوں
افسانہ یہ کمبخت کہوں یا نہ کہوں
آساں نہیں بے درد کو منصف کہنا
ساموںؔ سخنِ سخت کہوں یا نہ کہوں

☆

پھر زخم ہوا دائرہ ہوتے ہوتے
نقصان ہوا فائدہ ہوتے ہوتے
پھر یاد کوئی بھولی ہوئی بات آئی
پھر رہ گیا اک حادثہ ہوتے ہوتے

☆

حالِ دلِ محرومِ تماشا دیدی
داغِ جگرِ لالہ سراپا دیدی
گردابِ جنوں صورتِ دریا دیدی
انجامِ وفا دیدۂ بینا دیدی

☆

دنیا سے پھر اک بار گزرنا ہوتا
شیرازہ پھر اک بار بکھرنا ہوتا
خالی مئے تند سے یہ ہونے والا
پیمانہ پھر اک بار تو بھرنا ہوتا

☆

اِس جہان سے اِس دل سے گزرنا اچھّا
شیرازہ ہی اجزا کا بکھرنا اچھّا
اُس یاد کو سینے سے مٹا کر جینا
ساموںؔ یہی جینا ہے تو مرنا اچھّا

☆

اک ہاتھ دکھا ایسا کہ حیراں کر دے
دشمن کو مرے آج ہراساں کر دے
اے راہ سمندر میں بنانے والے
مولا مرے! مشکل مری آساں کر دے

☆

آئے تجھے زندوں کو مرا کر دینا
تپتے ہوئے صحرا کو ہرا کر دینا
سن لے مری فریاد بھی سننے والے
تو جانے ہے کھوٹے کو کھرا کر دینا

☆

یکجائی ادھوری ہے کہ پوری اچھّی
گلمرگ بھلا ہے کہ مسوری اچھّی
کھل جاتے ہو تم میرے تصوّر میں تمام
تم ہی کہو دوری کہ حضوری اچھّی

☆

اے مستِ الست جلدی جلدی برسو
کچھ دیر تو وقتِ مے پرستی برسو
دریاؤں میں طغیانی اُٹھانے والے
تپتے ہوئے سوکھے کھیت پر بھی برسو

☆☆☆

بجلی سی وہ لہرائی مری آنکھوں میں
گھنگھور گھٹا چھائی مری آنکھوں میں
صورت جو کسی کی یاد آئی ساموںؔ
برسات اُتر آئی مری آنکھوں میں

☆☆☆

اے قلزمِ ظلمت کے سفینے والے
اے سارے خزینوں کے خزینے والے
مشتاق ہوں میں کب سے تری صورت کا
دیدار ہوں اے کاش مدینے والے

☆☆☆

خلا تا خلا صرف آوارہ اجرام ہیں

سال ہا سال سے

روشنی کا سفر

اپنی تکمیل کو رو رہا ہے

اور اب

آگہی روشنی چاٹتے چاٹتے بے زباں ہوگئی ہے

......

خداوند قدّوس!

لمبے اندھیروں کی برسات میں

ہم کہاں تک بھٹکتے پھریں گے

آؤ ان برکتوں کو سمیٹو

کہ اب کوئی بچّہ گواہی نہ دے گا

کہ اب کوئی طوفان نہیں آئے گا

کہ اب زرد لاشوں کے انبار میں صرف سایوں کا فرمان جاری

رہے گا

کہ اب ان لکیروں میں لیٹا ہوا سرخ پانی ٹھٹھر جائے گا

اور یخ بستہ کمروں میں

یہ رقص کرتی ہوئی خواہشیں

دور تک اپنی رو میں پھسلتی چلی جائیں گی

......

مرے دور کا سانحہ

یہ مرے دور کا سانحہ ہے

مرے دور کی اس لہو میں نہائی ہوئی سوچ کی راہ میں

جو بھی آئے گا

اُس کو بھگتنا پڑے گا

☆☆☆

عمر تاریکیوں کی گھنی دلدلوں میں کٹی

اور اب تو ضیا پاشیوں کی شروعات ہے

میرے آگے

فقط روشنی کی حسیں سرحدیں ہیں

میں نے باندھا ہے رخت سفر

مجھے روشنی مل گئی تو سہی

مگر میرے پیچھے

مرے پیچھے کیوں ماتمی صف بچھی

☆☆☆

سیاہی کو نہ کوسو

زندگی بھر یہ سیاہی ساتھ دیتی ہے
تمہیں معلوم ہے ظلمات میں ہے چشمہ حیواں
شبِ دیجور کی تاریکیوں میں روشنی پھوٹی
اور تاریکی کی گہری وادیوں میں
سورۂ اقرا ہوئی نازل
جہاں بھی جب بھی
تاریکی نے اپنے پنکھ پھیلائے
وہیں روشن لکیریں صبح کا پیغام لاتی ہیں
نہ گھبراؤ کہ ظلمت لائقِ تعظیم ہے
پیغام لائی ہے
کہ اب کالے اُفق پر
کوئی دم میں بجلی لہرانے ہی والی ہے

☆☆☆

سیہ بھوت پیڑوں کی لمبی قطاریں
سیہ بھوت پیڑوں کا مسکن یہ بستی
کہ اس میں سواروں کا اک قافلہ آ گیا
اور
گھر بار بچّے جوان اور بوڑھے
تمام ایک سیلاب میں بہہ گئے
یہاں اب کھنڈر ہیں
زمیں سُرخ ہے
دیوار کوئی سلامت نہیں
دھُول ہے
راکھ ہے
آندھیاں اب بھی آتی ہیں لیکن
یہاں پیڑ بجتے نہیں
گھر کا دروازہ اب بند کوئی نہیں
اب تو بے در ہے بستی
یہ بستی!
سیہ بھوت پیڑوں کا مسکن

☆☆☆
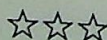
وہ گھمسان کا رن پڑا

الاماں!

کھڑکیاں تھیں کہاں

حبس کمروں میں ایسا ہوا

چارپایوں کا دم گھُٹ گیا

ریڈیو سال ہا سال کے بعد ایسا بجا

جیسے کوئی دم مرگ ہو

شام ہونے کو تھی

شام ہوتی نہ تھی

اور مرا گھر

مری دسترس میں نہ تھا

☆☆☆

پھر ہوا روشن چراغ آشنائی
پھر طلسم خامشی ٹوٹا
ہوئی تجدیدِ عہدِ آتش آسائے جنوں
پھر مری نوک قلم پر جھلملاتا
تیرگی کا سرد قطرہ
گرمیٔ احساس سے روشن ہوا
میری رگ رگ میں پھسلتی کہکشاں
یکبارگی
جام شہادت پھر طلب کرنے لگی
پھر گھڑی ٹک ٹک
ہر اک لمحے کو برسوں صدّیوں کے لمبے کینوس پر بچھانے کی غرض سے
میرے بازو سے چپک کر رہ گئی
صور اسرافیل کی مانند
اعلان حیات نو کی خاطر
آندھیاں
زوُں زوُں مرے ماضی کے ریگستان میں چلنے لگیں
آہ
پھر طوفاں بداماں آج ہے آب رواں

☆☆☆

کبھی پیار آتا ہے اس زندگی پر
کبھی سوچتا ہوں
ہے کیا ماحصل زندگی کا
تلافی کرو
بھول جاؤ
فقط گاؤ
الفت کرو
قہقہے، ساز
رقص اور پیالوں کی جھنکار میں
کہ غم رشک سے مر ہی جائے
دوانہ!!!
مری بات پہ ہنس پڑا

☆☆☆

لمحہ

لمحہ

ایک لمحہ

ما حصل ہے زندگی کا

زندگی سے چند لمحوں کو چُرا لینا

انہیں محفوظ رکھنا

زندگی ہے

زندگی میں

صرف لمحہ بے بہا ہے

☆☆☆

ایک گاؤں سے آیا ہوا اجنبی

شہر میں بھیڑ کو دیکھ کر سوچتا ہے

کہ یہ پاگلوں کا نگر ہے

اُسے کیا خبر

وہ اسی بھیڑ کا ایک حصہ بنا ہے

☆☆☆
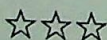
چلے آو
ہم تم سمے کی طرح بیت جائیں
گھڑی توڑ دیں
دن کو پردے سے ڈھانپیں
چاند کو گرم سانسوں سے تاریک کر دیں
چلو
وہ گلی ڈھونڈھ لیں
جس کی میلی کچیلی سی بوسیدہ دیوار پر
گرم یادوں کے دھبے مہکتے ہیں اب تک
چلے آو
اُس دن کو ڈھونڈیں
کہ گھڑیال کی خوف آلودہ ٹن ٹن سے لمحے ٹپکتے ہوئے رُک گئے تھے
وہ سڑکیں تلاشیں
کہ جن تپتی سڑکوں پہ ہم تم نے دکھ درد کی داستانیں بکھیریں
چلو

پھر وہی بس چڑھیں
جس کے پہیے
وہ کیچڑ سے لت پت سڑک چھیلتے جا رہے تھے
چلو
ریتلی راہ پہ درجنوں سائے لمبے پڑے ہیں
ہوا زرد پتوں کو لے کر
اُڑی جا رہی ہے
چلو
میرا گھر
میرا آنگن
مرے پیر کی دھیمی دھیمی تھکی چاپ کا منتظر ہے
مرے گھر کا پھاٹک
جو میرے لئے تھک گیا ہے
مرے واسطے
اپنی باہوں کو پھیلا رہا ہے

☆☆☆

وہ اک شخص
جس کا مقدّر تھا خود سے بچھڑنا
سڑک کے اُسی موڑ پر
مجھ کو ملتا ہے
اور چھوٹتے ہی وہی تیر میری طرف پھینکتا ہے
تو میں
پھر اُسی طرح چھن سے بکھر جاتا ہوں

☆☆☆

اور اس قلزم ہفت منظر میں
کب تک سمیٹوں گا کرچیں
خدا! اے خدا!
میں پیمبر نہیں

☆☆☆

تیز گامی میں مجھ کو خبر ہی نہ تھی
کہ میں
اُس کی جانب نہیں
دوسری سمت میں ہوں رواں
بیچ میں
دوریاں ہی بچھا تا رہا ہوں

☆☆☆

ایک پیاسا
سویرے سے
دریا کنارے پہ چھلنی لئے
پانی بھرنے میں مصروف ہے
اور
سایوں کے پر پھیل جانے کی اُس کو خبر ہی نہیں

☆☆☆

مجھے سوچنے کا ثمر تم کو مل جائے گا
تُم
کہ اندر ہی اندر
نوکیلے سوالات کو اور بھی تیز کرنے میں مصروف ہو
آخرش
ایک دن اپنی ہی زد میں آ جاؤ گے

☆☆☆
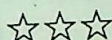
کاتب اوزاوّل نے
ہاتھوں کی مبہم لکیروں میں
معنی کی گہری عبارت لکھی
تو اُسے خوب معلوم تھا
کی اس شخص کے سرد ماتھے پہ کندہ
ہر اک لفظ
اپنے معانی کو ڈستا رہے گا

☆☆☆

سنا ہے کہ جب میں نے یہ روپ دھارا
تو اک کرّۂ آتشین تھا
مگر وقت کے اس بھیانک سمندر میں غوطے لگاتے ہوئے
مجھ پہ ٹھنڈک کی تہہ چڑھ گئی
میرے محور پہ رقصاں
مری سطح پر تیرتے اُجلے آبی پرندے
مری اندرونی تہوں میں اُبلتا ہوا ایک آتش فشاں
اُجلے آبی پرندوں کو زد میں لئے ....
ایک دن پھر سے سورج اُبلنے لگے گا

☆☆☆

مصنف کی دوسری تصانیف

۱۔ ریشی نامہ از ملّا بہاؤ الدّین متو مع مقدمہ وتدوین متن
(منظوم فارسی سوانح حیات شیخ العالمؒ بہ اشتراک پروفیسر محمد اسداللہ دوانی)
مطبوعہ جموں وکشمیر کلچرل اکیڈیمی ۱۹۸۲ء

۲۔ شنا زبان ، رسم الخط اور صوتی نظام۔۔۔۔مطبوعہ جموں وکشمیر کلچرل اکیڈیمی ۲۰۱۳ء

۳۔ شِنا محاورآے گے مِثالے (شنا محاورے اور مثالیں) رابطہ پبلی کیشنز جموں، ۲۰۱۶ء

۴۔ گلستان سعدی — شنُا ترجمہ — زیر ترتیب

۵۔ لیئی لوے تھیے — شِنُا مجموعۂ کلام — زیر ترتیب

۶۔ سوٗ رِجل بییٔ — شِنا افسانے — زیر ترتیب

۷۔ مضامین مسعود — تحقیق وتنقید — زیر ترتیب

رابطہ پبلیکیشنز

85/رقادر کاٹیج علامہ اقبال لین، سنجواں روڈ، جموں-180011

مسعود الحسن ساموں کا قلمی نام مسعود ساموں ہے۔ وہ ریاست جموں وکشمیر کے دور افتادہ اور پسماندہ سرحدی علاقہ وادیٔ گریز کے گاؤں بڑوَن کے معزز ساموں خاندان کے سر برآوردہ عالم، عوامی رہنما اور صاحبِ طریقت بزرگ محترم محمد انور ساموں مرحوم ومغفور کے گھر میں ۲۸ر فروری ۱۹۵۲ء کو پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم انہوں نے اپنے والد سے اور ہائی سکول داور (گریز) میں حاصل کی اور یہیں سے ۱۹۶۵ء میں میٹریکولیشن کا امتحان پاس کیا۔ ۱۹۶۶ء میں انہوں نے کچھ عرصہ کے لئے ریاستی محکمۂ تعلیم میں مدرس کی حیثیت سے اپنی ملازمت کا آغاز کیا، لیکن اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے اشتیاق نے انہیں ۱۹۶۸ء میں ترکِ ملازمت پر مجبور کیا۔ چنانچہ ۱۹۷۲ء میں انہوں نے گورنمنٹ سری پرتاپ کالج سری نگر سے بی-اے اور ۱۹۷۴ء میں کشمیر یونی ورسٹی کے شعبۂ فارسی سے ایم-اے کی ڈگریاں حاصل کیں اور پھر کچھ عرصہ بعد یہیں دوسال تک فارسی پڑھاتے رہے۔ ایم-اے فارسی کے امتحان میں اوّل آنے پر کشمیر یونی ورسٹی نے انہیں غنی گولڈ میڈل سے نوازا۔ ۱۹۷۶ء میں انہوں نے ایم-اے اردو کا امتحان بھی یہیں سے پاس کیا اور اوّل آئے۔ ۱۹۷۷ء سے ۲۰۰۹ء تک موصوف نے اہم انتظامی مناصب پر انتہائی ذمہ داری، تن دہی اور خوش اسلوبی سے اپنے فرائض انجام دِئے، جن میں ڈپٹی کمشنر پلوامہ، ناظم تعلیمات، ایکسائز کمشنر، ریونیو کمشنر اور ڈویژنل کمشنر کشمیر کے عہدے شامل ہیں۔ ۲۰۰۹ء میں وظیفہ یاب ہونے کے بعد انہیں پانچ سال کے لیے، جموں وکشمیر پبلک سروس کمیشن کا ممبر مقرر کیا گیا، جس کی معیاد ۲۰۱۴ء میں ختم ہوئی۔

جناب مسعود ساموں کے والد بزرگوار اگرچہ ایک مدرس تھے، مگر وہ اپنے علاقے کی ایک اعلیٰ مذہبی، روحانی، علمی، ادبی، سیاسی اور سماجی شخصیت تھے۔ وادی گریز کے عوام نے اُن سے یکساں فیض پایا اور یہ اُن کی ہی تعلیم وتربیت اور دعاؤں کا ثمرہ ہے کہ مسعود ساموں ایک ادیب، شاعر اور اعلیٰ منتظم کے طور پر اُبھرے۔ اُنہوں نے جہاں ریاستی انتظامیہ میں اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اعلیٰ کارکردگی کا مظاہرہ کیا، وہاں انہوں نے ایک شاعر اور ادیب کی حیثیت سے بھی اپنی شناخت قائم کی۔ مصروف ملازمت کی اہم ذمہ داریوں سے وہ گاہے ماہے کچھ لمحے نکال کر اپنے اُس ادبی شوق کی آبیاری بھی کرتے رہے جو کالج کے دنوں میں ہی اُنکے منہ لگ گیا تھا۔ مسعود ساموں کی مادری زبان شنا ہے، اس لیے وہ اس کی ترقی وترویج کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ اس زبان کے تعلق سے اُن کی دو کتابیں 'شنا زبان: رسم الخط اور صوتی نظام' اور 'شنا محاورے اور مثالیں' شائع ہو چکی ہیں۔ شاعری اور لسانیات سے ان کو گہرا شغف ہے۔ وہ اردو اور شنا میں بڑے ہی عمدہ اور فن کارانہ انداز میں انتہائی فکر انگیز اور معنی آفرین شعر کہتے ہیں۔ رباعی کہنے میں انہیں خاص ملکہ حاصل ہے۔ وہ اردو اور شنا میں افسانے بھی لکھتے ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ جہاں شنا زبان میں شائع ہونے والا ہے، وہاں وہ 'شنا' میں لکھے گئے افسانوں کا مجموعہ بھی مرتب کر رہے ہیں۔ مسعود ساموں کا مستقل قیام یوں تو آرم پورہ، سونر وانی، بانڈی پورہ، کشمیر میں ہے، تاہم موسمِ سرما کے دوران وہ سیدھڑا کے قریب جاگیر ملھوری بجالتہ، جموں میں قیام کرتے ہیں۔ (ذکرِ مسعودؔ سے ایک اقتباس)